علامہ ملک العلماء

حیات وخدمات

تصنیف

مفتی عابد حسین مصباحی نوری قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تلمیذ و خلیفہ ملک العلما حضرت **علامہ ظفر الدین بہاری** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقویٰ شعاری اور شانِ مناظرہ کے موضوع پر مشام جاں کو معطر کرنے والی کتاب مسمیٰ بہ

علامہ ملکُ العُلَما

حیات وخدمات

از

محمد عابد حسین قادری برکاتی نوری مصباحی

مفتی وشیخ الحدیث جامعہ فیض العلوم جمشید پور

ناشر:۔ المجمع القادری فیض العلوم، دھتکیڈیہہ، جمشید پور (جھارکھنڈ)

۷۸۶
۹۲

کتاب کا نام : علامہ ملک العلما، حیات وخدمات

مؤلف : محمد عابد حسین قادری برکاتی نوری مصباحی

پروف ریڈنگ : حضرت مولانا نصیر احمد مصباحی حبیبی صاحب
حضرت مفتی راشد انور مصباحی صاحب

کمپوزنگ : محمد معراج الحق رضوی فیضی، مولانا شمشیر عالم مصباحی

سن اشاعت : ۱۴۳۱ھ - ۲۰۱۰ء

صفحات : ۱۴۴

ہدیہ : ۵۰ روپیے

ناشر : المجمع القادری فیض العلوم، دھتکیڈیہہ، جمشید پور

0657-2228277-9835553380

ملنے کے پتے

(۱) جنید رضا غوثی، المجمع القادری، مدرسہ فیض العلوم دھتکیڈیہہ، جمشید پور

(۲) مولینا افضل حسین مصباحی مقام و پوسٹ لوکہا، ضلع مدھوبنی (بہار)

(۳) قادری بک سینٹر، دھتکیڈیہہ، جمشید پور، جھارکھنڈ

(۴) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارکپور، اعظم گڈھ (یوپی)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّ حمٰنِ الرَّحِیمِ

فہرست

☆☆☆

تقریظ جلیل

از بقیۃ السلف حضرت علامہ مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و الہ و صحبہ اجمعین

ملک العلما بدر الفضلا حضرت علامہ ظفر الدین احمد قادری عظیم آبادی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۶۲ء/۱۳۸۲ھ) اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) کے اجلۂ تلامذہ اور احب خلفا میں سے تھے، آپ کو اس اعتبار سے خصوص کا درجہ حاصل ہے کہ متعدد بار اعلیٰ حضرت نے آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر میدان مناظرہ میں روانہ فرمایا، آپ نے طویل عرصے تک اعلیٰ حضرت سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات پر آپ نے ہی اولین کتاب ''حیات اعلیٰ حضرت'' تصنیف فرمائی، اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی فہرست بھی سب سے پہلے آپ ہی نے ''المجمل المعدد لتالیفات المجدد'' کے نام سے مرتب کی، جو مرکزی مجلس رضا لاہور سے اشاعت پذیر ہو چکی ہے۔ اعلیٰ حضرت سے گزارش کر کے آپ ہی نے بریلی شریف میں ''مدرسہ منظر اسلام'' قائم کرایا، جو آج تک دین پاک اور مسلک حق کی خدمت انجام دے رہا ہے،

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تلامذہ میں آپ ہی نے طویل عرصے تک تدریسی خدمات کو مشغلہ بنایا، جب کہ خلفا میں حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمہ والرضوان کو بھی تدریسی میدان میں طویل عرصے تک نمایاں خدمات انجام دینے کا شرف حاصل رہا، اور آپ کے تلامذہ میں ایک سے ایک متبحر عالم ومفتی پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو بیرون ہند میں علم کا ڈنکا بجادیا۔

حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، آپ ایک بہترین محدث، بالغ نظر فقیہ، زبردست مناظر اور علم ہیئت وتوقیت کے یکتا ماہر تھے۔ حضرت ملک العلما ان ساری خوبیوں کے ساتھ ایک پر سوز مبلغ اور بلند پایہ واعظ بھی تھے، آپ کے کئی مواعظ زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر بھی آچکے ہیں جو آپ کے تبحر علمی پر دال ہیں۔ چونکہ تفسیر و حدیث اور فقہ پر آپ کی گہری نظر تھی اور یہی علوم عمل کا سر چشمہ ہیں، جس کی وجہ سے آپ کی زندگی سنت وشریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ صاحب زہد وتقویٰ اور ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں جب پرنسپل کے عہدے پر فائز تھے اس وقت ایک مسجد میں درس قرآن بھی دیا کرتے تھے، جس کا تذکرہ وہاں کے لوگ آج بھی کرتے ہیں، گویا آپ کی علمی شخصیت تو بے مثال تھی ہی آپ کی عملی زندگی بھی

ہمارے لیے نمونہ ہے۔

زیر نظر کتاب ''ملک العلما حیات و خدمات'' گرامی منزلت مولانا مفتی محمد عابد حسین رضوی مصباحی شیخ الحدیث جامعہ فیض العلوم جمشید پور (جھارکھنڈ) کی تالیف ہے، جس میں موصوف نے حضرت ملک العلما فاضل بہار علیہ الرحمہ کی حیات، دینی کارناموں، آپ کی عملی زندگی اور خاص طور سے مناظرے کے میدان میں آپ کی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ تذکرۂ اسلاف کرام کو باقی رکھنا اور ان کی دینی خدمات سے سبق حاصل کرنا زندگی کی علامت ہے۔ مفتی صاحب نے اس سلسلے کو جاری کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، اس سے قبل آپ نے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ و الرضوان کی استقامت و کرامت پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اچھی کتاب تیار کی جو چھپ کر مقبول خاص و عام ہے۔ مولائے کریم عز و جل مفتی صاحب کے علم اور عمر میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے۔ مزید خدمات کی توفیق فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری

المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

۱۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۳۱ھ، یکم جون ۲۰۱۰ء

تأثرات گرامی

از جانشین علامہ ارشد القادری حضرت ڈاکٹر علامہ مولانا غلام زرقانی صاحب، مہتمم مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، مقیم الحال: ہوسٹن، امریکہ

حضرت علامہ مفتی عابد حسین مصباحی کے پرتوِ قلم کا شاہکار ''حضرت ملک العلما حیات وخدمات'' نام کا مختصر مگر معلومات کے اعتبار سے جامع، اہمیت کے پس منظر میں گرانقدر اور حسن ترتیب کی نگاہ سے دلکش، اچھوتا اور پرکشش رسالہ میرے پیشِ نگاہ ہے۔

قطع نظر اس سے کہ اس کتاب میں کیا ہے، صرف حضرت ملک العلما کے ثنا خوانوں کی فہرست میں کسی طور جگہ پا جانا بھی زندگی کی بہت بڑی سعادت ہے کہ رحمت دو عالم ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق وعقیدت رکھنے والے ایک سچے، پاک باز اور سرزمین علم وعرفان کے بادشاہ سے وابستگی کے قیمتی لمحات تو میسر آئے۔ ایک کفش بردارِ نعلینِ مصطفے کے لئے زندگی کا یہ اعزاز ہی کیا کم ہے؟

مصنف کتاب نے حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت زندگی کے مختلف گوشوں پر دلائل و براہین، زمینی حقائق اور حاضر باش عشاق کی روایات سے استفادہ کرتے ہوئے بڑی نفیس گفتگو کی ہے اور آپ کی

شخصیت کا ایسا خوبصورت، پر کشش اور دلنواز نقشہ کھینچا ہے کہ قاری کا ذوقِ مطالعہ ہر سطر کے ساتھ فزوں تر ہوتا چلا جاتا ہے......اور پھر کتاب کے آخری صفحہ پر پہنچ کر روح کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ پکار اٹھتا ہے کہ ملک العلما رحمۃ اللہ علیہ رزمگاہِ مناظرہ کے کامیاب شہسوار بھی ہیں اور عقل و دانش، منطقی طرزِ بیان اور استحضارِ علمی کی روشنی میں جانبِ مخالف کو سرنگوں کرنے کی خداداد صلاحیتوں کے امین بھی ہیں...... مفسرِ قرآن بھی ہیں اور محدث بھی، قلم کی خداداد شوکتوں کے وارث بھی ہیں اور نکتہ رس خطیب بھی اور سب سے بڑھ کر وہ ایسے عاشقِ رسول ﷺ ہیں جنکی آہِ سحر گاہی کا سراغ آج بھی مردہ دلوں میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکتا ہے۔ کفر والحاد کی تاریکیوں میں ہدایت کا اجالا بکھیر سکتا ہے......اور ملت اسلامیہ کی ایسی کامیاب رہنمائی کر سکتا ہے، جو اسے دونوں جہان میں سربلند، باوقار اور عزو افتخار کا مالک بنادے۔

دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال ان کے فیوض و برکات عام فرمائے۔

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ وحمدہ

تقدیم از محقق دوراں مفتی آل مصطفےٰ ، گھوسی

حضرت ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری قدس سرہ (ولادت۔ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء۔وفات۔۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) کی شخصیت غیر معمولی تھی ،وہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے نہ صرف تلمیذ رشید تھے، بلکہ ان کے علم و عمل کے وارث وامین بھی تھے، بارگاہِ مجدد سے انہیں جو فیضان ملا اس کا صحیح اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔

راقم الحروف ان کے قریبی شاگردوں خصوصاً اپنے والد گرامی قدر حضرت علامہ محمد شہاب الدین الاشرفی اللطیفی دام ظلہ تلمیذ رشید حضرت ملک العلما قدس سرہ سے یہی سنا کہ وہ درسگاہِ علم وفن کے شاندار ونکتہ رس مدرس و معلم ،فقہِ حنفی کے رمز شناس، ماہر وحاذق مفتی وفقیہ،میدانِ مناظرہ کے فقید المثال، پختہ قلم کار،عدیم النظیر مصنف و مؤلف،اور ہیئت وتوقیت کے شاندار عالم و محقق تھے۔جامعِ علومِ عقلیہ ونقلیہ و ماہر علوم متداولہ وغیر متداولہ تھے، جن کی تصنیف و تالیف، محققانہ تحریر،اور قلمی شہ پاروں میں تحقیقِ مجدد اعظم کی جھلکیاں صاف طور پر پڑھی اور محسوس کی جاتی ہیں۔ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ فقیہِ فقید المثال کے رنگِ افتا

سے مزین اوران کے فقہی جلوؤں سے روشن ہیں۔ ان متنوع علوم وفنون کے حامل وامین ہونے کے ساتھ ساتھ شاندار مناظر ومتکلم بھی تھے، ان کی علمی زندگی کا ایک اہم گوشہ مناظرہ بھی تھا، وہ تحریری وخطابی دونوں طرح کے مناظرے کے فن سے آگاہ بلکہ اس میدان کے شہسوار تھے، مگر یہ افسوس کا مقام ہے کہ حضرت ملک العلما کی رحلت کے تقریباً نصف صدی گزر جانے کے باوجود اب تک ان کی حیات وخدمات کے حوالے سے قابل ذکر تذکرہ وسوانح منظر عام پر نہ آسکی۔

قابل مبارک باد ہیں محبّ محترم، پیکر اخلاص وعمل حضرت مولانا مفتی محمد عابد حسین صاحب مصباحی نوری استاد مدرسہ فیض العلوم جمشید پور جھارکھنڈ، جنہوں نے سراج ملت حضرت مولانا سید سراج اظہر رضوی مدظلہ العالی کی موجودہ قابل قدر تحریک کا ایک حصہ بن کر حضرت ملک العلما قدس سرہ کی مناظرانہ مہارت اوران کی تقویٰ شعار زندگی کے چند گوشے پر عمدہ روشنی ڈالی ہے، یہ گوکہ تفصیلی نہیں، مگر جتنا ہے وہ اہم ہے اور مولانا موصوف کی جدوجہد، کوشش ومحنت اور اخلاص وعقیدت کی آئینہ دار، جس کے لئے وہ بجاطور پر تحسین وتبریک کے مستحق ہیں۔ میرے والد گرامی قدر حضرت علامہ محمد شہاب الدین الاشرفی اللطیفی دام ظلہ نے اپنے کرم فرما استاد حضرت

ملک العلما کی مناظرانہ مہارت اور ان کے مناظروں کی جو روداد ہمیں وقتاً فوقتاً سنائی ہے وہ اس مقالے میں درج روداد و مواد سے الگ ہیں۔ باعتبار مجموعی ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ملک العلما نے اسلام و سنیت کی حقانیت کو ثابت کرنے، بلفظ دیگر احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے بدمذہبوں، گمراہ گر، اللہ و رسول جلّ وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہوں کے گستاخوں، اور مشرکین سے جو مناظرے کیے وہ بہت اہم ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عابد حسین صاحب قادری مصباحی زیدحبہ کے زیر نظر مقالے سے ہمارے دادا استاد حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان کی مناظرانہ مہارت و ممارست کی کچھ جھلکیاں دیکھی اور محسوس کی جا سکتی ہیں۔

مولانا موصوف نے اپنے اس مقالے کے ایک حصے میں حضرت ملک العلما کی تقویٰ شعار زندگی پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے۔ آج کے اس مغربیت زدہ ماحول میں جب کہ شرعِ مطہر کے احکام کی پابندی کم ہوتی جا رہی ہے اور نوجوان نسل دینی و عملی تقاضوں پر عمل پیرا ہونے سے گریزاں ہے۔ ایسے ماحول میں بزرگوں کے تقویٰ، پرہیزگاری، دین و شریعت پر عمل کے نور کو پھیلانا اور ان کی اسلامی زندگی کے روشن چراغ سے نئی نسل کی عملی تاریکی کو دور کرنے کی سعی کرنا بلاشبہ بڑا دینی کام ہے۔ مولیٰ عزوجل مفتی

عابد حسین صاحب زید مجدہٗ کو جزائے خیر عطا فرمائے، مزید اس طرح کے دینی کاموں کا جذبہ عطا فرمائے۔ اور ان کے اس دینی و ملی خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

آل مصطفےٰ مصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی۔ مئو، یوپی

۱۵/ ذوقعدہ ۱۴۳۰ھ/ مطابق ۲۰۰۹ء

☆☆☆

المجمع القادری فیض العلوم جمشید پور سے مؤلف کی دیگر مطبوعات خصوصی رعایت کے ساتھ حاصل کیجیے۔

۱. مقام غوث اور امام احمد رضا	ص	۲۸۸
۲. مفتی اعظم کی استقامت و کرامت	ص	۲۷۰
۳. وظائف امام احمد رضا	ص	۱۴۴
۴. مشکل کشا نمازیں	ص	۸۰
۵. علامہ ازہری حیات و شخصیت	ص	۹۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امیر القلم مولانا غلام جابر شمس مصباحی بمبئی کا تأثر و تبصرہ

حال ہی میں حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری شخصیت پر ساڑھے بارہ سو صفحات پر مشتمل ایک شاندار و جاندار نمبر ''جہانِ ملک العلما'' کے نام سے، خلیفۂ مفتی اعظم ہند پیر طریقت مولانا سید سراج اظہر صاحب و مولانا غلام جابر شمس مصباحی کی کوششوں سے شائع ہوا ہے۔ الحمد للہ زیرِ نظر راقم کے دونوں مقالے ''حضرت ملک العلما کی تقویٰ شعار زندگی'' اور ''حضرت ملک العلما بحیثیت عظیم مناظر'' لائق اعتنا سمجھے گئے اور اس میں شائع بھی ہوئے۔ ان کے بارے میں مصباحی صاحب موصوف کے مندرجہ ذیل تبصرے قابل مطالعہ ہیں:۔

(۱) تیسرا مضمون حضرت مفتی عابد حسین نوری کا ہے، انہوں نے حضرت ملک العلما کی طہارتِ قلب و نظر اور تقویٰ شعاری پر بحث کی ہے۔ نتیجہ میں حضرت ملک العلما ایک متقی، پرہیزگار، پارسا، پاکیزہ عابد و زاہد کے پیکرِ محسوس میں معلوم ہوتے ہیں۔ مفتی عابد حسین نوری جس رتبہ پر حضرت ملک العلما کو دکھانا چاہتے ہیں، میرا وجدان کہتا ہے، حضرت ملک العلما اس سے بلند تر مرتبہ پر متمکن تھے۔ مفتی عابد حسین کا یہ مضمون اس باب کا ماحصل

ہونے کا حقدار ہے۔(جہانِ ملک العلما بمبئی ص ۲۱)

(۲)   حضرت مفتی عابد حسین نوری نے (اپنے مضمون میں) حضرت ملک العلما کی مناظرانہ اہمیت کو واضح کیا ہے۔ان کی یہ تحریر اپنے موضوع پر بھرپور ہے۔حضرت ملک العلما نے ذہن ہی مناظرانہ پایا تھا۔باتوں بات میں وہ مخالف کا پانسہ پلٹ دیتے تھے۔ان کا مناظرہ اصولِ مناظرہ کی روشنی میں ہوتا تھا،جدلیت کا رنگ ہرگز نہیں ہوتا تھا۔مخلصاً۔(جہانِ ملک العلما ص ۲۶)

☆☆☆

انتساب

ان مناظرینِ اہلسنت کے نام جنہوں نے بدمذہبوں کو شکستیں دے کر احقاقِ حق وابطالِ باطل اور مسلک اہل سنت کے تحفظ و بقا کا فریضہ انجام دیا۔ خصوصاً

١ امام الائمہ، کاشف الغمہ، سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

٢ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

٣ صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ

٤ حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ

٥ غوثِ زمن سیدنا مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی قدس سرہ

٦ مناظرِ اعظم ہند شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں قدس سرہ

٧ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد چشتی قدس سرہ پاکستان

٨ مناظرِ اعظم مجاہدِ ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن قدس سرہ

٩ قائدِ ملت مناظر اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری قدس سرہ

١٠ ممتاز الفقہا، سلطان الاساتذہ، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

١١ مناظرِ دوراں حضرت مولانا محمد یونس قادری رضوی حامدی مرحوم (مدھوبنی)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين و العاقبة للمتقين و الصلوة و السلام على سيد المرسلين و اٰله الطيبين و اصحابه الطاهرين

مقام حضرت مَلِکُ العُلَمَا

وہ ظفر جن کو حاصل تھی فتح و ظفر
اعلیٰ حضرت کی حجت پہ لاکھوں سلام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے علمائے کرام کے رتبے اور درجے کو بہت بلند کیا ہے۔انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد اس گروہ کا مقام اتنا بلند ہے کہ ورثۃ الانبیاء کے لقب سے ملقب اور وراثتِ نبوت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہے۔

ارشادِ رسول ہے "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيْنَارًا وَ لَا دِرْهَمًا وَ اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهُ اَخَذَ حَظًّا وَافِرًا"۔ یعنی علماء یقیناً انبیاء کے وارث ہیں اور بے شک انہیں انبیاء سے دینار و درہم کی وراثت نہیں ملی بلکہ وہ انبیاء کے علم کے وارث ہوئے، پس وہ جو علم انبیاء سے فیضیاب ہوا اس نے ایک بڑا حصہ پایا۔[۱]

بلا شبہہ حضرت ملک العلما ان برگزیدہ ہستیوں میں ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وراثتِ انبیاء کے حظِّ وافر سے سرفراز کیا تھا۔وہ بحرِ علم کے فیضان سے اس قدر سرشار

---

[۱] بخاری، جلد اول، کتاب العلم، ص ۱۶، ورواہ ایضا احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی

ہوئے کہ اپنے وقت کے قطب عالم، محدث اعظم، فقیہِ اسلام، مجدد عصر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے انہیں ''ملک العلما'' یعنی علماء کے بادشاہ کے خطاب سے نوازا۔

حضرت ملک العلما اپنی شاہکار تصانیف اور گونا گوں خوبیوں کی بنیاد پر متبحر عالم دین، بے باک مناظر، صاحبِ تصانیف کثیرہ اور مفتیِ فتاوی کثیرہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فنِ حدیث میں ضخیم چھ جلدوں پر مشتمل **صحیح البہاری**، فقہ میں **فتاوی ملک العلما**، علم توقیت میں **مؤذن الاوقات** اور سیرت وسوانح میں چار جلدوں پر مشتمل **حیات اعلیٰ حضرت** جیسی نادر تصنیفات پیش کر کے خدمت دین ومسلک کے حوالے سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ ایک ممتاز ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ ان کی دینی خدمات کی دھمک اور علمی شہرت کی بازگشت بیرونِ ملک بھی سنائی دیتی ہے۔ میں خود بھی اپنے بچپن سے انکے علم وعمل کا چرچا سنتا آیا ہوں۔

راقم الحروف آنے والی سطور میں اسی وارثِ انبیاء کے رتبۂ عالی اور احوال واقعی کو وقت کے جلیل القدر علما، فکر وفن کے ماہرین اور ارباب علم و دانش کے اقوال کی روشنی میں بیان وعیاں کر کے خود کو شادکام کرنے کے ساتھ ساتھ قارئین کرام کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ علماء اہل سنت بالخصوص خلفاء اعلیٰ حضرت اور انکے تلامذہ اپنے علم وعمل، تقوی وطہارت، خدمت

دین وسنت وغیرہ گونا گوں اوصافِ فضل وکمال سے متصف ہوکر کارہائے نمایاں انجام دینے میں ایک امتیازی شان کے مالک ہیں۔

۱. پیر طریقت، رہبر شریعت، تاجدار اہل سنت سیدنا **مصطفی رضا خان** بریلوی قدس سرہ کا مقام دنیائے اسلام میں کتنا بلند وبالا ہے، سب پر عیاں ہے۔ایک موقع پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت **ملک العلما** کو تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''جیسے مصطفی ویسے تم''۔

اس ایک جملے سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت **ملک العلما** کی علمی وعملی زندگی کا پورا نقشہ اتار دیا کہ جسے **ملک العلما** کا عکس دیکھنا ہے وہ مصطفی رضا خان کا آئینہ دیکھ لے۔حضرت **ملک العلما** کو اپنے صاحبزادے سے تشبیہ دینا اس امر کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ حضرت **ملک العلما** سے بے پناہ شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کی قدر دانی میں اپنے بیگانے کا امتیاز نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اپنے بیٹوں جیسا مانتے اور ''ولدی الاعز'' فرمایا کرتے تھے۔

۲. حضرت **ملک العلما** کی ذہانت وفطانت، شانِ فقاہت، جلوۂ فتویٰ نویسی اور جودتِ طبع کا اظہار حضرت **محدث اعظم کچھوچھوی** علیہ الرحمہ نے اس جامع ومانع جملے سے کیا ہے۔

''یہ اپنے دور کے امام اعظم ابوحنیفہ ہیں''۔

۳. علم حدیث پر آپ کے کمالِ دسترس اور تصنیفِ جلیل ''صحیح

البہاری'' کو استاذ العلما حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے دیکھا اور شان مخدومیت کو ملاحظہ فرمایا تو یوں رطب اللسان ہوئے:

''مخدومِ محترم، مطاعِ مکرم، حضرت محدث اعظم''۔

۴. خلیفۂ اعلیٰ حضرت، ترجمان مسلک اہل سنت، مؤیدِ فکرِ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج لعل محمد خان مدراسی ثم کلکتوی علیہ الرحمہ، جنکی شخصیت خود بھی متحرک وفعال تھی اور دوسری فعال شخصیات کی قدرداں بھی اور جو ملک العلما کے کمالات علم وعمل کے عینی مشاہد رہے ہیں، فرماتے ہیں۔

''دستار بندی کے بعد اگرچہ مدرسہ میں درس کا سلسلہ ختم ہو گیا مگر اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کے یہاں دیگر علوم وفنون مثلاً اوفاق، اعمال، تکسیر، جفر، توقیت وغیرہ حاصل کرنے کا سلسلہ بدستور باقی رہا اور آپ نے وہ علوم حاصل فرمائے، جن سے اکثر ابنائے زمانہ بے خبر ہیں''۔[۲]

۵ حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے بلاشبہ علمی جانشین، فکری ترجمان اور ان کی کرامتوں میں سے ایک کرامت تھے۔ اس حقیقت کا اظہار سراجِ ملت مولانا سید سراج اظہر نوری بمبئی نے ان فقروں میں کیا ہے۔

''شیخ المحدثین، راس المعلمین، عالم علم نجوم و فلکیات، ماہر فن ریاضیات، ملک العلما، اخطب الخطباء، افقہ الفقہاء حضرت علامہ سید محمد ظفر

---

[۲] مختصر سوانحِ مصنف ملحق بہ جواہر البیان ترجمۂ الخیرات الحسان

الدین احمد فاضل بہار علیہ الرحمہ والرضوان میدانِ تصنیف وتالیف کے اس شہسوار کا نام ہے جنھیں شیخ الاسلام والمسلمین، عظیم البرکت، مجدد اعظمِ دین وملت، امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے طرح طرح کے القاب وخطابات سے نوازا۔ اپنی صحبت میں رکھ کر دریائے نعمت ورحمت اور بحرِ علم وعمل کا غواص بنایا اور ملک العلما کے خطاب سے علما پر سرفرازی عنایت فرمائی۔

آپ ایک متبحر عالم دین اور صاحب درایت مشہور فقیہ ومناظر تھے۔ معانیِ قرآن وتفسیر، احادیث واصول، سیر وتواریخ پر آپ کو مکمل دسترس حاصل تھی، اسی طرح علم شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے رازہائے سر بستہ پر بفیض پیر ومرشد اعلیٰ حضرت کافی عبور حاصل تھا۔ جہاں آپ نے مذکورہ علوم میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہیں علم تصوف وسلوک، احسان واخلاق، ادب ولغت، توقیت وریاضیات، ہندسہ ومعقولات پر نادر وبے مثال معلومات سے مرصع کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن کے مضامین اہل قلم کے لیے سرمایۂ حیات بنتے جارہے ہیں''۔

۶۔ پاکستان کی عظیم علمی شخصیت اور فقہی جزئیات وکلیات میں ماہر، مفتی عبد القیوم ہزاروی صاحب حضرت ملک العلما کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے نظر آتے ہیں۔

''حدیث کی کثرت، حدیث کی درایت اور فقہی مسائل وجزئیات

کے استخراج واستنباط پر ملک العلما کی بصیرت حیرت انگیز تھی‘‘۔

۷. مفتی سید شاہ تراب الحق قادری امیر جماعت اہل سنت کراچی پاکستان آپ کی امتیازی شان اور خصوصیات کا ان لفظوں میں اعتراف کرتے ہیں:

’’ملک العلما حضرت علامہ مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی فاضل بہاری علیہ الرحمہ کا شمار ہندوستان کے جید علما میں ہوتا تھا۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے خلفاء اور ان کے فیض یافتہ علما میں بھی آپ کا نمایاں مقام تھا‘‘۔

’’اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی صحبت اور آپ کی تربیت نے فاضل بہاری کے اندر وہ خوبیاں پیدا کر دیں جس نے آپ کو اپنے معاصر علما میں ممیّز وممتاز کر دیا تھا‘‘۔

۸. حضرت مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں سجادۂ آستانۂ رضویہ بریلی شریف حضرت ملک العلما کی بارگاہ میں یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

’’حضرت ملک العلما صرف ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک ’’عظیم جہاں‘‘ ہیں جس میں درجنوں جہاں گم ہیں، ان کو سمجھنے اور ان تک پہنچنے کے لئے بڑے علم ودانائی کی ضرورت ہے‘‘۔

۹. امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی سجادہ نشیں

آستانۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ یوں مدح سرا ہیں۔

''یہ سبھی حضرات اپنے آپ میں علم کا سمندر تھے جن کے سوتے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے بحر اعظم سے پھوٹے تھے۔ان ہی میں ایک ممتاز شخصیت ملک العلما فاضل بہار مولانا محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی تھی۔بچپن سے ہم نے ان کا چرچا سنا۔ان کی حیات اعلیٰ حضرت کا تذکرہ ببّا میاں حضرت مرشد برحق تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ بھی اکثر فرماتے''۔ [۳]

۱۰. ادیب شہیر ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی حضرت موصوف کی اولیات اور خصوصیات کا کچھ اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

''خلفاء امام احمد رضا میں ملک العلما سے زیادہ کثیر التصانیف دوسرا کوئی نہیں۔جہانِ سنیت اور دنیائے علم و ادب کو سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی حیات و شخصیت اور کارناموں سے روشناس کرانے والی پہلی شخصیت سیدنا ملک العلما ہی کی ہے۔آج گلشنِ رضویات کی توسیع اور تزئین اور آرائش کے جو باغباں و پاسباں مصروفِ عمل ہیں انہیں عزم و حوصلہ عطا کرنے، گلشن کی آبیاری اور چمن بندی کا انداز سکھانے والوں میں پہلا نام انہیں ملک العلما کا ہے۔ملخصاً''[۴]

---

[۳] جہان ملک العلما، ص ۵۵

[۴] ماہنامہ جہان رضا لاہور بابت دسمبر ۱۹۹۵ء وغیرہ

انتباہ : یہاں بعض عبارتوں سے کوئی اس خلجان میں نہ پڑے کہ حضرت ملک العلما ہر اعتبار سے اپنے معاصرین پر فائق اور ان سے افضل تھے۔ یہاں تقابل مقصود نہیں بلکہ حضرت موصوف کی مدح وستائش، شان عبقری کا بیان کرنا اور جزوی فضیلت کا اظہار مقصود ہے ورنہ آپ کے بہت سے معاصرین مثلاً حضرت حجۃ الاسلام، حضور سرکار مفتی اعظم، حضرت صدرالافاضل اور حضرت صدرالشریعہ علیھم الرحمۃ والرضوان بھی اپنی اپنی جگہ پر علم وفضل، ورع و تقویٰ اور دیگر اوصافِ کمال میں یکتائے روزگار اور بے مثل و بے مثال تھے۔

۱۱۔ ادیب بے بدل مولانا غلام جابر شمس مصباحی حضرت ملک العلما کی تعلیم وتربیت کے ابتدائی حالات کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ددیہال وننیہال کا ماحول علمی تھا، پاکیزہ تھا۔ ظاہر ہے، پرورش و تربیت پاکیزگی، عمدگی، پختگی، خوش سلیقگی سے ہوئی، ابجد خوانی گھر کے بزرگوں نے کرائی، ابتدائی تعلیم خاندانی حضرات سے پائی، اس عمر میں ذہن جو کورا کاغذ تھا، اس پر جو کچھ مرتسم ہوا، وہ مدت العمر رہا۔ پھر وہ پٹنہ آئے، جہاں علم حدیث کے مشہور استاد حضرت مولانا شاہ **وصی احمد** سورتی سے فقہ و حدیث کی تحصیل کی، تب وہ کانپور آئے، فن معقولات کے معروف عالم حضرت مولانا شاہ احمد حسن پنجابی ثم کانپوری سے منطق وفلسفہ کی تعلیم لی۔ ۱۳۲۱ھ میں وہ درسگاہ علم وعرفان بریلی وارد ہوئے۔ یہ وہ درسگاہ تھی، جہاں

حجاز ویمن کے شائقانِ فن نے جان ودل کا نذرانہ نثار کیا''۔ ۵ے

۱۲. رہبر شریعت مولانا عبد المبین نعمانی آپ کی شان مناظرہ اور تصلب فی الدین کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ چونکہ اپنے مسلک پر سختی سے صرف قائم ہی نہ تھے، بلکہ اس کی ترویج و اشاعت میں بھی تا عمر حتی الوسع سعی فرماتے رہے اور جب بھی ضرورت پڑی مسلک حق کے خلاف ہرزہ سرائیوں اور فاسد عقائد ونظریات کا رد بھی فرماتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرشد برحق سرکار اعلیٰ حضرت کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ متعدد مقامات پر ضرورت پڑنے پر آپ کو مناظروں کے لئے بھی اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ آپ جہاں بھی گئے باطل پرستوں کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا یا مخالف کو لا جواب کر کے مظفر و منصور لوٹے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے منظوم ذکر احباب میں آپ کو تیسرے نمبر پر یاد فرمایا ہے اور وہ بھی اس دعا کے ساتھ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ فتح وظفر عطا فرمائے اور اعدائے دین کو شکست دے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دشمنانِ دین آپ سے شکست کھاتے ہی ہیں اور آپ مظفر و منصور اور غالب ہوتے ہی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(الاستمداد ص ۸۹، بمبئی ۸)

ے۵ جہان ملک العلما بمبئی، ص ۲۵۵، مقالہ معمار رضویات کی اولیات

''ایک بار قیام بریلی کے دوران آپ نے اپنے ساتھی مولانا سید عبد الرشید صاحب عظیم آبادی علیہ الرحمہ کے ساتھ اشرفعلی تھانوی سے مناظرہ فرمایا اور اس کو گھر تک پہونچایا''۔ ٦؎

حضرت ملک العلما بہاری علیہ الرحمہ کی جَودتِ طبع، علمی استحضار، مناظرانہ شان اور تصلب فی الدین کی ایک جھلک خود ملک العلما کی زبانی ملاحظہ فرمائیں، آپ خود رقم فرماتے ہیں،

''مجھ سے میرے ایک ملنے والے صاحب نے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کا علم وعمل، تقویٰ وفضل، جامعیت کمالات ظاہری و باطنی کا کوئی بھی منکر نہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کسی کا رد اور مناظرہ وغیرہ نہ کرتے تو ان سے بڑھ کر ہندوستان میں کسی کی عزت نہ ہوتی اور از گنگ تا سنگ، واز کشمیر تا کنیا کماری، ان کی مقبولیت ہر طبقہ، ہر گروہ میں ہوتی۔

میں نے کہا یہ تو خدا پرستی نہ ہوئی، بلکہ خود بینی وخود پرستی ہوئی۔ ''الحب فی اللہ والبغض فی اللہ'' (اللہ کی رضا کے لئے کسی سے دوستی اور اللہ کی رضا کے لئے کسی سے دشمنی ایمان سے ہے) بھی کوئی چیز شرعی ہے یا نہیں۔ رہی عوام اور بد مذہبوں میں حق گوئی کی وجہ سے عدم مقبولیت، تو آپ نے مثنوی شریف کے یہ اشعار سنے ہیں یا نہیں۔ مولانا (روم) فرماتے ہیں:

گر دو سہ ابلہ ترا منکر شوند　　تلخ کے گردی چو ہستی کانِ قند
گر دو سہ احمق ترا تہمت نہد　　حق برائے تو گواہی می دہد

٦؎ جہان ملک العلما، ص ۲۴٦، مقالہ ملک العلما کا تصلب فی الدین

گر خفاشے راز خورشید ے خورے ست   آں دلیل آمد کہ او خورشید نیست
نفرت خفا شگان باشد دلیل   کہ منم خورشید تاباں جلیل
گر گلاب را جُعل راغب شود   آں دلیل نا گلابی می شود، ۷ے

۱۳۔ ڈاکٹر اعجاز انجم استاد منظر اسلام بریلی شریف لکھتے ہیں:

''حضرت ملک العلما چلتے پھرتے مناظرہ کرتے تھے اور اپنے حریف کو شکست دے کر تائب ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں، حضرت شمس العلما مولانا مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب علیہ الرحمہ نے راقم الحروف کو بر سبیلِ تذکرہ سنایا، کہ ملک العلما دوران درس طلبہ کو اس طرح کے واقعات اکثر سنایا کرتے تھے، دورانِ درس کے دو واقعات اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ راقم نے ان سے فرمائش کی، کہ حضور وہ واقعات سنا دیں تا کہ میں قلم بند کروں۔ حضرت شمس العلما نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ملک العلما کے رشتے میں ایک ماموں جبریہ فرقے کے حامی تھے۔ حسن اتفاق کہ دونوں کا بستر ایک ہی کمرے میں لگا دیا گیا۔ دونوں آرام کرنے لگے۔ رات میں جبریہ عقیدہ رکھنے والے ماموں کو استنجا کی حاجت درپیش آئی، جھٹ پٹ بستر سے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول کر وہ استنجا کرنے چلے گئے۔ اسی اثنا میں حضرت ملک العلما نے اندر سے دروازے کی چٹخنی بند کر دی۔ جب وہ استنجا سے فارغ ہو کر واپس

ے۷ حیات اعلیٰ حضرت حصہ دوم ص ۱۰۶۔۱۰۵، ناشر رضا اکیڈمی، بمبئی

ہوئے تو دروازہ بند دیکھ کر دروازہ پیٹنے لگے۔ جب دیر ہوگئی تو انہوں نے ملک العلما کو مخاطب کر کے کہا کہ: باہر ٹھنڈک شدید ہے، جلدی سے دروازہ کھولیے۔ حضرت ملک العلما نے سنی ان سنی کر دی۔ جب بہت دیر ہوگئی تو ملک العلما نے فرمایا کہ میں لیٹا ہوا ہوں اور مجبورِ محض ہوں کیسے اٹھ کر دروازہ کھولوں، ابھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں ہوا ہے، کہ میں دروازہ کھولوں، جب اللہ کی مشیت ہوگی تو کھول دوں گا۔ بہت دیر تک جاڑے میں وہ ٹھٹھرتے رہے۔اور دروازہ پیٹتے رہے،اور حیران و پریشان ہوگئے۔ بالآخر انہوں نے اقرار کیا اور کہا کہ سمجھ گیا انسان مجبورِ محض نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی قدرت عطا فرمائی ہے۔ میں اب تک گمراہی میں مبتلا تھا۔آج تمہاری اس حرکت سے مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔ میں تمہارے سامنے اس بدعقیدگی سے توبہ کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے۔اب برائے کرم دروازہ کھول دیجیے، جب انہوں نے توبہ کر لی تو حضرت ملک العلما نے دروازہ کھول دیا''۔

''اس طرح دوسرا واقعہ شمس العلما نے سنایا، کہ پٹنہ سے قریب کسی دیہات میں ایک شخص اتحاد الوجود کا قائل تھا۔ ہر چیز کو خدا سے تعبیر کرتا تھا۔ خواہ وہ انسان ہو یا کوئی دوسری مخلوق۔ ملک العلما کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اپنے ایک دوست کو جو مجسٹریٹ بھی تھے، اپنا سارا پلان بتلایا۔اور دلن تاریخ طے کر کے اچانک دونوں اس کے پاس حاضر ہوگئے۔ جب اس

نے ان لوگوں کو دیکھا تو عادت کے مطابق بلا کسی جھجھک کے کہنا شروع کیا۔

آیئے خدا، بیٹھئے خدا، کیسے آنا ہوا خدا، غرضیکہ اس نے ہر بات پر ان دونوں کو خدا کہہ کر مخاطب کیا۔ یہ سننا تھا کہ مجسٹریٹ صاحب نے پلان کے مطابق اس پر ڈنڈا برسانا شروع کر دیا۔ اتحاد الوجود کے قائل نے کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے بلا قصور کیوں مار رہے ہیں۔ ملک العلما نے جواب دیا کہ آپ نے ابھی ان کو خدا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ لہذا آپ کا خدا آپ کو مار رہا ہے، اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا، جب میں بقول تمہارے خدا ہوں، اور تم کو مار رہا ہوں تو تم کو انکار کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر مجھ سے گریز کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ مجسٹریٹ صاحب کی اس بات سے وہ بہت شرمندہ ہوا اور اپنی بدعقیدگی سے تائب ہوا۔ سبحان اللہ!'' [۸]

۱۴۔ حضرت ملک العلما کے تلمیذ رشید مولانا مفتی شہاب الدین اشرفی کٹیہار علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں۔

''اپنے سلسلۂ کلام ''الصحبة مؤثرة'' پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے ملک العلما نے فرمایا، کہ واقعی اچھوں کی صحبت نیک بناتی ہے اور بروں کی صحبت بد بناتی ہے۔ پھر یہ واقعہ ارشاد فرمایا:

''ایک متصلب سنی عالم کا ایک ہی لڑکا تھا۔ سوئے [illegible] کہ وہ لڑکا

۸؎ جہان ملک العلما ص ۴۲۷، ناشر انجمن برکات رضا بمبئی

بھاگ کر کسی قادیانی کے مدرسے میں پہنچ گیا اور وہیں اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور عقیدۃً بھی قادیانی ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا تو اس کے والد نے اسے دیکھتے ہی بھگا دیا اور کہہ دیا کہ آج سے تم مجھے اپنا چہرہ نہیں دکھا سکتے۔ وہ لڑکا اسی شہر میں کسی قادیانی کے یہاں پناہ گزیں رہا۔ اس کی والدہ اپنے لڑکے کی جدائی کا غم برداشت نہیں کر پائی۔ وہ اپنے شوہر سے چھپ چھپ کر اپنے لڑکے سے ملنے جاتی۔ کئی بار آنے جانے کے بعد ایک دن اپنے شوہر کو اپنے دام تزویر میں پھنسالیا۔ کہنے لگی کہ آخر وہ تمہارا لڑکا ہی تو ہے۔ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ سنی عالم بھی اس قادیانی کے گھر آنے جانے لگا۔ آخر کار وہ بھی قادیانی ہو کر مرا''۔ ۹؎

۱۵. حضرت ملک العلما کے فضل و کمال کے بارے میں کثیر التصانیف قلمکار مولانا عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ یوں رقمطراز ہیں۔

''امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہی کہیے کہ ان کے تلامذہ اور خلفا نہ صرف علم و فضل بلکہ صداقت دینی میں بھی ان کے مظہر تھے۔ ان میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت علامہ ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری تھے''۔

۱۶. اپنے اسلوبِ تحریر میں ممتاز، پاکستان کے عظیم قلم کار، ماہر رضویات پروفیسر **مسعود احمد** کا برق رفتار قلم صفحۂ قرطاس پر یوں نقوش قائم کرتا ہے۔

۹؎ مفتی شہاب الدین اشرفی، مقالہ ملک العلما کی زندگی کے چند گوشے، قلمی نسخہ

''فاضل رضوی کو علم توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی (م ۱۳۸۶ھ ۔ ۱۹۶۶ء) بھی اس کے معترف تھے۔ فن حدیث میں ان کی مہارت پر کتاب ''جامع الرضوی'' شاہد عدل ہے..... وہ ممتاز معلم و مقرر اور محقق و مصنف تھے۔ اعلیٰ حضرت کے محبوب شاگرد اور محبوب معین و مددگار تھے۔ لائق اور قابل استادوں سے پڑھا''۔

''آپ کا سلسلۂ نسب متعدد واسطوں سے محی الدین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ ملخصاً''۔[۱۰]

۱۷۔ وقت کے نقاد ادیب پروفیسر سید طلحہ رضوی برق، دانا پور، پٹنہ اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں:

''ساری زندگی حضرت ملک العلما کی درس و تدریس، تبلیغِ مسلک اعلیٰ حضرت اور ردِ فرقِ ضالہ و باطلہ کے لئے وقف رہی۔ ۲۲ سال کی عمر سے بدعقیدوں اور وہابیوں سے علمی مناظرہ کرنے لگے۔ حق آپ کے ساتھ تھا، لہذا ہر مناظرہ میں بدعقیدوں کو شکست فاش ہوئی اور منہ کی کھانی پڑی۔ میوات کے پہلے مناظرہ کی روداد بنام ''نجدیہ کا چپ مناظرہ'' دیدنی ہے''۔

اور آپ کی تصنیفات جلیلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں خامہ پیمائی کرتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ صحاح ستہ میں جو مقام صحیح البخاری کو حاصل ہے،

---

[۱۰] مضمون: ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین بہاری از پروفیسر مسعود احمد پاکستان

مابعد کی کتب احادیث میں وہی مقام و امتیاز صحیح البہاری کو حاصل ہے۔ افسوس عصر حاضر اس یگانۂ روزگار عالم اور اس کے کارناموں کی قرار واقعی قدر نہ کرسکا۔ وہ شخص جس نے عمر عزیز کے تقریباً ساٹھ سال مسلسل دین متین کی تقریری وتحریری خدمت کی ہو اور ایسے نادر کارنامے چھوڑے ہوں، جس کی مثال مشکل سے ملے گی، نئی نسل کے درمیان گمنام ہوتا جارہا ہے۔ وہ شخص جس نے سنیت کے لیے بے لوث خدمت کی، تحفظِ ناموسِ رسالت کے لیے خود کو وقف وقربان کردیا، مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ کی اور گمراہوں، بدعقیدوں سے بشمشیر قلم نبرد آزما رہا۔ الخ''۔

''حضرت ملک العلما اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ نہایت خاموشی، دیانتداری کے ساتھ تاعمر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی آمد و رفت مدرسوں اور خانقاہوں میں یکساں تھی۔ خانقاہ منیر شریف، پھلواری شریف، داناپور اور پٹنہ کے اعراس میں اکثر وبیشتر شریک ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی، تفقہ اور تصوف پسندی سے علما ومشائخ سبھی مسحور تھے۔ ملخصاً''۔ [۱]

۱۸۔ شہرت یافتہ ادیب پروفیسر فاروق احمد صدیقی مظفر پور کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی مشام جاں کو معطر کرتا ہے:

''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خوردبیں نگاہ کسی ایسے

---

[۱] جہان ملک العلما، مضمون ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری ص ۲۱۹۔۲۲۰

ویسے کو خاطر میں نہیں لاسکتی تھی۔ وہ صلاحیتوں کے سچے پارکھ اور نباض تھے۔ جس کسی کو بھی اس پارس صفت کا قرب میسر ہوا، وہ زمانے میں کندن بن کر چمکا۔ حضور ملک العلما کو دراصل فیضان نظر نے بھی اور مکتب کی کرامت نے بھی سنوارا۔ پھر تو ان کو یگانۂ روزگار اور مایۂ افتخار ہونا ہی تھا۔ علوم وفنون میں تقریباً ستر (۷۰) سے زائد کتابیں لکھ کر انھوں نے اپنے علم ودانشوری کی دھاک بٹھا دی۔ سارے ہندوستان میں ان کی شہرت پھیل گئی اور آج بھی بعد از وصال وہ اپنے بلند وقیع علمی کارناموں کی بدولت اہل علم ودانش کے درمیان زندہ وتابندہ ہیں"۔[۱۲]

۱۹۔ پاکستان کے معروف ادیب جن کے قلم اور خدمات کی ایک عالم میں دھوم مچی ہے، علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"آپ علمائے اہل سنت کے مایۂ ناز مدرس، منتظم، مصنف، مؤرخ، تذکرہ نگار اور اعتقادی ونظریاتی مسائل کے حل کرنے میں یگانۂ روزگار تھے۔ ملک العلما کا لقب آپ کو زیب دیتا تھا"۔[۱۳]

۲۰۔ ماہر علم وفن، جامع فتاوی ملک العلما مولانا ارشاد ساحل علی گڑھ یوں مدح سرائی کرتے ہیں:

---

[۱۲] حوالہ مذکورہ ص ۱۵۷، مقالہ دلچسپ مکالمہ پر ایک نظر

[۱۳] (حاشیہ علی الاستمداد ص ۹۰، مطبوعہ قادری بکڈپو بریلی شریف سن طباعت ۱۴۰۸ھ)

''اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں، رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے سالِ فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی''۔ [۱۴]

۲۱. مولانا قمر الحسن قادری ہوسٹن، امریکہ رقمطراز ہیں۔

''ملک العلما علامہ سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ اس بارگاہ مجددیت کے تراشیدہ علمی پیکر ہیں، جن میں اس مجدد اعظم کا عکس جھلکتا نظر آتا ہے۔ آپ کی قلمی اور دینی خدمات نے کل بھی خراجِ تحسین وصول کیا تھا اور آج بھی کر رہی ہیں''۔

۲۲. فقیر نوری کہتا ہے کہ حضرت ملک العلما قدس سرہ کو بچپن سے تائید ربانی حاصل تھی، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیوض و برکات سے مالا مال تھے، اس لیے اسی وقت سے سعادت و فیروزمندی کے آثار ہویدا تھے۔ ابھی آپ نے فراغت بھی حاصل نہیں کی ہے۔ ابھی فراغت کو ۳ سال باقی ہیں مگر آپ نے فتوی دینا اور لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کو پہلے ہی مرحلہ میں کس قدر کامیابی اور وقت کے فقیہ اعظم مجدد اعظم

[۱۴] مقدمہ فتاوی ملک العلما وغیرہ

سے کس قدر داد و تحسین ملی، خود آپ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے تا کہ آپ کے مقام بلند کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ آپ لکھتے ہیں:

''فقیر محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے، کہ ۱۳۲۲ھ میں سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا، حسن اتفاق سے بالکل صحیح نکلا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اس فتویٰ کو لیے ہوئے خود تشریف لائے اور ایک روپیہ دست مبارک سے فقیر کو عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مولانا! سب سے پہلے جو فتویٰ میں نے لکھا، اعلیٰ حضرت والد ماجد (مولانا نقی علی خاں) قدس سرہ العزیز نے مجھے شیرینی کھانے کے لیے ایک روپے عنایت فرمایا تھا۔ آج آپ نے جو فتویٰ لکھا یہ پہلا فتویٰ ہے اور ماشاءاللہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے اسی اتباع میں ایک روپیے آپ کو شیرینی کھانے کے لیے دیتا ہوں''۔ [۱۵]

۲۳۔ مولانا ظہیر احمد زیدی علی گڑھ آپ کے اسم گرامی کے حوالے سے ایک خاص نکتے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

''یہ نکتہ امید ہے کہ قارئین کے دل و دماغ میں فرحت و انبساط پیدا کرے، کہ آپ کے والد محترم کا تجویز کردہ نام ''غلام حیدر'' کی خصوصیات میں سے کچھ نہ کچھ کا ظہور آپ سے ہوتا رہا۔ حیدر کرار خطاب حضرت سیدنا علی زوج البتول سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا بنت رسول پاک سید

[۱۵] حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول، ص ۱۵۴، ناشر رضا اکیڈمی، بمبئی

الکائنات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جن کے بار میں ارشاد فرمایا،
انامدینۃ العلم و علی بابھا''۔اور جملہ سلاسل روحانی آپ کی ذات
مقدسہ پر منتہی ہیں۔آپ شجاعت اور بہادری میں بے مثل تھے، دشمنوں پر
حملہ کرنے اور شکست دینے میں نہایت درجہ چابک دست اور کامیاب،
دوسری حیثیت میں آپ علوم معرفت و روحانی کا سرچشمہ اور علوم شرائع میں
آپ مرتبۂ کمال رکھتے تھے۔آپ کے علوم کا اندازہ آپ کے اس فرمان
سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا، ''میں اگر چاہوں تو قرآن کریم میں ''بسم
اللہ'' کے ''ب'' کی تفسیر میں ستر اونٹ لاد دوں''۔

حضور ملک العلما نے بھی اپنی اسی نسبت کا جلوہ دکھایا، کہ آیت
معراج ''سبحان الذی اسریٰ، الآیۃ'' کی تفسیر تیرہ سال تک رجب
شریف کے جلسوں میں فرماتے رہے الخ''۔

۲۴. مفتیٔ بے بدل محقق دوراں مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی جامعہ
امجدیہ گھوسی رقمطراز ہیں۔

''جو ایک بالغ نظر مفکر اور دیدہ ور مفتی و محدث تھے، جنہوں نے امام
اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے براہ راست علمی و روحانی فیوض حاصل
کر کے اپنے کو مستنیر کیا۔مختلف علوم وفنون پر ان کی تحقیقی تصانیف ان کے علم
وفضل کی کھلی شہادت دیتی ہیں۔ملک العلما علیہ الرحمہ کی تصانیف کی سب
سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ انداز تحریر اور طریق استدلال میں امام اہل سنت

علیہ الرحمۃ والرضوان کی فکر بلیغ کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔ جس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہیں، اس کے تمام اطراف و جوانب اور مضمرات و نتائج پر سیر حاصل بحث ہوتی ہے۔ کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں رہتا''۔[۱۶]

۲۵. امین شریعت مفتی عبدالواجد صاحب ہالینڈ ملک العلما کے فتاوی کی ندرت سے یوں روشناس کراتے ہیں:

''مدرسہ منظر اسلام میں ۱۳۲۳ھ کے امتحان کا مکمل ریکارڈ تو موجود نہیں ہے۔ البتہ روداد ہی کے ذریعہ مذکورہ حضرات (حضرت ملک العلما وغیرہ) کا علم ہوا کیونکہ اسی سال کی روداد میں طلبۂ مدرسہ کے متعدد فتاوی بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں مذکورہ تمام حضرات کے لکھے ہوئے فتاوی ہیں۔ حضور ملک العلما کے دو فتاوی اردو اور فارسی زبانوں میں نہایت مرصع و مدلل ہیں۔ جس کو پڑھنے کے بعد کسی نہج سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی نوآموز مفتی کا جواب ہے۔ خاص کر کفو سے متعلق جو جواب آپ نے رقم فرمایا ہے اور دلائل و براہین کے ساتھ مفتی بہ اقوال کو ترجیح دی ہے، اس سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ جواب کسی کہنہ مشق متبحر مفتی کا ہے''۔

''۱۹۵۷ء کی بات ہے جب کہ یہ خادم (مفتی عبدالواجد صاحب) مدرسہ رحمانیہ حامدیہ، پوکھریرا سابق ضلع مظفر پور کے منصب صدر مدرس کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اثنائے راہ ملک العلما علیہ الرحمہ نے فرمایا، میں

---

[۱۶] جہان ملک العلما ص ۵۷۴، مضمون ملک العلما اور عرس کی شرعی حیثیت

نے آپ کے بعض فتووں کو دیکھا ہے، مجھے یاد آتا ہے کہ ایک فتوی رضاعت سے متعلق بھی تھا، جس میں جزئیات فقہیہ کی نقل میں عجلت سے کام لیا گیا ہے۔ میں نے آپ کے جواب پر کچھ لکھ دیا ہے اور مستفتی کو تاکید کر دی ہے کہ سوال و جواب کو آپ کے پتہ پر بھیج دے تاکہ آپ اپنے قلم سے اس کی تصحیح کر دیں۔

خادم نے عرض کیا۔ حضور وہ استفتا مع جواب کے مجھے مل چکا ہے۔ حضور کے طریقۂ اصلاح کو دیکھ کر ندامت سے زیادہ مسرت ہوئی۔ اور جب میں نے آپ کے اصلاح شدہ جواب کو اپنے استاد محترم شیخ الحدیث منظر اسلام حضرت مولانا شاہ محمد احسان علی صاحب قبلہ محدث فیض پوری کو دکھلایا تو وہ بھی بہت مسرور ہوئے۔ حضور ملک العلما نے فرمایا، مشق جاری رہے مگر کسی تجربہ کار مفتی سے اپنے فتاوی کی تصدیق کراتے رہیں۔ میں نے عرض کیا تو پھر اس کے لیے میں حضور ہی کی خدمت حاصل کرنا اپنے لیے باعث سعادت و افتخار سمجھوں گا۔ آپ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا، ٹھیک ہے۔ آپ اپنے جوابات مع متعلقہ سوالات کے بذریعہ ریلوے ڈاک بھیج دیا کیجیے گا۔ میں دیکھ کر آپ کو واپس کر دیا کروں گا۔ ملخصاً''۔

۲۶. آپ کی عبادات و ریاضیات، مراتب عالیہ، وفات شریفہ اور عرس کے حوالے سے بڑے جامع انداز میں شہزادۂ ضیائے ملت، مولانا عبد المقتدر خان جالوی، دربھنگہ نے منظر کشی کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

''طہارتِ فکر، تقدیسِ خیال اور تزکیۂ نفس آپ کو ورثہ میں ودیعت ہوا تھا۔ شب بیداری کا جواب نہ تھا۔ سنت کی پیروی، نماز پنج گانہ کی پابندی، قرآن شریف کی تلاوت، درود شریف کی کثرت، نفسِ امارہ سے جہاد، رشد وہدایت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کو انہوں نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا، وہ عرصۂ دراز سے فشار الدم کے مہلک مرض میں مبتلا تھے اور کافی کمزور ہو گئے تھے، مگر اس کے باوجود ان کی عبادت میں کمی نہ آئی اور نہ ہی روز وشب کے معمولات میں فرق آیا، بلکہ معمول کے مطابق انہوں نے شبِ رحلت بھی شام کے وقت چار خطوط لکھے اور شب دوشنبہ کی ایک ارجمند ساعت میں ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء میں ذکر جہر ''اللہ اللہ'' کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمایا۔

دوسرے دن خانقاہ رشیدیہ، اسلام پور، ضلع پٹنہ کے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی، جن سے آپ کو فردوسی شطاری، سہروردی اور کچھ مزید سلسلوں کی اجازت وخلافت حاصل تھی، انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں کے مزار شریف کے متصل شاہ گنج پٹنہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جہاں ہر جمعرات کو عقیدت ونیاز مندی رکھنے والوں کا اژدہام ہوتا ہے اور ۱۹ر جمادی الاخریٰ کو مریدین، معتقدین، تلامذہ اور علما مل کر ان کا عرس بڑے تزک واحتشام کے ساتھ مناتے ہیں۔

قاضی شریعت علامہ فضل کریم علیہ الرحمہ اوران کے بعد والد گرامی فخر صحافت، علامہ ضیاء جالوی رحمۃ اللہ علیہ کی رقت انگیز دعا پر لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ میرے والد نے حضرت ملک العلما کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ میں پڑھا بھی تھا اوران سے جامِ ولایت پیا بھی تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ پٹنہ آیا کروتو درگاہ شاہ ارزاں ضرور جایا کرو۔ وہیں اللہ کے مقبول بندے، عارف باللہ، ولی کامل، پیر طریقت ملک العلما مولانا سید محمد ظفر الدین فاضل بہاری علیہ رحمۃ الباری آرام فرما ہیں۔ آج تم لوگ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر تقریر کر کے پورے ہندوستان میں روٹی سینکتے ہو، یہ یادرکھو کہ حضور ملک العلما صرف میرے شفیق استاد ہی نہیں ہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت کے شاگر دِرشید، خلیفہ ومجاز ہیں اور اعلیٰ حضرت پر جو کام انھوں نے کیا، وہ اب تک کسی نے نہیں کیا ہے۔ بہت بافیض بزرگ ہیں، ان کی تربتِ اقدس پر پہنچنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ میں پٹنہ میں نہیں ہوں، بلکہ بریلی شریف اور مارہرہ مطہرہ کے بزرگوں سے بہرہ مند ہورہا ہوں۔ ان کی بارگاہ میں بڑے بڑے اصحاب طنطنہ وشہرت اور صاحبان جبہ ودستار کو میں نے گدائی کرتے دیکھا ہے۔ ملخصاً''۔[۱۷]

۲۷. احکام شرع کی پابندی، تقوی شعاری اور اتباع سنت پر استقامت

---

[۱۷] جہان ملک العلما ص ۳۰۴، مضمون ملک العلما کی ولایت وکرامت از قلم خطیب شہیر مولانا عبد المقتدر خان جالوی

کے طفیل حضرت ملک العلما اللہ کے مقدس ولی اور جماعت اہل سنت کے صاحب کرامت بزرگ تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے حوالے سے ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والی کئی کرامتیں منقول و معروف ہیں۔ ادیب زمن، فخر صحافت ضیاء جالوی مرحوم کے حقیقت نگار قلم سے ملاحظہ فرمایئے، رقمطراز ہیں:

''ایک دن ایک شخص حضرت ملک العلما کے پاس آیا۔ آنے والا ان کا شناسا تھا۔ اس نے کہا، میں نے آپ کے پاس ایک استفتا کیا تھا، لیکن آپ نے اس کا جو جواب دیا ہے، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے صاحب سجادہ نے اس کے برعکس فتوی دیا ہے، جب میں نے ان سے آپ کے فتوے کا ذکر کیا، تو انہوں نے فرمایا، انہیں یہاں بلا لاؤ۔ ہم لوگ آپس میں تبادلۂ خیال کر کے یا تو ہم ہی اپنے فیصلے سے رجوع کر لیں گے یا پھر ان ہی کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اس لیے آپ پھلواری چلیے۔

حضرت ملک العلما نے فرمایا۔ میں کیوں جانے لگا وہاں۔ جس کو ضرورت ہوگی، وہ خود میرے پاس آئیگا۔ میں نے جو فتوٰی دیا ہے، وہ ٹھیک ہی دیا ہے۔ اس پر وہ صاحب بولے خانقاہ کے سجادہ نشین آپ کے پاس اس لیے نہیں آسکتے کہ سجادہ نشیں کے لیے وہاں یہ قید ہے کہ وہ اپنی خانقاہ کے حلقے سے باہر نہیں جا سکتا اور آپ کے ساتھ تو ایسی کوئی قید نہیں ہے۔ آپ تو جاتے آتے رہتے ہیں، اس لیے آپ ہی کو چلنا پڑیگا۔ حضرت ملک

العلما نے برہم ہو کر کہا، ایک مرتبہ کہہ دیا، نہیں جاؤں گا، پھر بار بار اصرار کیوں کرتے ہو؟ اس شخص نے کہا، جائیں گے کیوں نہیں؟ ایسے نہیں جائیں گے تو میں کاندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔ حضور ملک العلما ایک منٹ خاموش رہے، پھر فرمایا، جب کاندھے ہی پر لے جانا ہے، تو جاؤ پرسوں آنا۔ وہ شخص مطمئن ہو کر چلا گیا۔ تیسرے دن جب وہ ان کو لے جانے کے لیے آیا، تو دور ہی سے اس نے دروازے پر بھیڑ دیکھی اور جیسے ہی وہ دروازے پر پہونچا، گھر سے ایک نعش برآمد ہوئی۔ اس کو معلوم ہوا کہ نعش حضرت ملک العلما کی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کاندھا دیا اور نعش کو مخاطب کر کے کہا، حضرت کاندھے پر لے چلنے کی بات میں نے اس لیے کہی تھی کہ میں آپ کو پھلواری شریف لے جانا چاہتا تھا۔ آپ کاندھے پر چل تو رہے ہیں، مگر آپ نے راستہ بدل دیا ہے"۔

"آپ کے بارے میں خلیل صاحب مجیبی روایت کرتے ہیں کہ انتقال کے بعد جب آپ کو غسل دیا جانے والا تھا تو جسم سے کپڑے اتارنے کی خدمت انہیں کے سپرد ہوئی۔ بھاری بھرکم جسم پر کرتہ اور اوپر سوئٹر تھا۔ سوئٹر تنگ ہونے کے سبب جسم میں بالکل پھنس گیا تھا، لیکن چونکہ نیا تھا، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ سوئٹر صحیح و سالم اتر آئے، تاکہ اسے وہ تبرک کے طور

پر اپنے استعمال میں لاسکیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سوئٹر کا بغیر پھاڑے ہوئے نکلنا مشکل ہے تو انہوں نے کان میں آہستہ سے کہا، حضرت ذرا سا بدن ڈھیلا کیجئے، تا کہ سوئٹر آسانی سے اتار سکوں، میں اسے پہننا چاہتا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد جسم اس قدر ڈھیلا اور نرم ہو گیا کہ نعش کو جدھر چاہا، موڑا، جیسے چاہا گھمایا اور نہایت آسانی سے سوئٹر اتار لیا۔ سوئٹر میں کہیں خراش تک نہیں آئی۔ لیکن جب کرتہ اتارنے لگے تو کرتہ ڈھیلا ڈھالا اور فراخ ہونے کے باوجود قینچی سے کاٹ کر الگ کرنا پڑا''۔

قارئین کرام! ہندوستان سے لیکر ہالینڈ تک اور پاکستان سے لیکر امریکہ تک، ایشیاء ہی نہیں، یورپ وافریقہ تک کے جید علمائے کرام، مشاہیر خطباء، ماہرین علم وادب، اساتذۂ علم وفن، قابل قدر ارباب فکر ودانش، بڑے بڑے ڈاکٹرز اور پروفیسرز کے مذکورہ گرانقدر تبصرے، انیق تحقیقات اور گہرے تأثرات سے ہر شخص یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور ملک العلما سید محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرد واحد نہیں، بلکہ ایک انجمن کا نام ہے، ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک ایسے ''جہانِ عظیم'' کا نام ہے جسمیں دسیوں جہانِ علم ہیں، جو اپنے علم وفن، تقوی وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت میں اگر نمونۂ اسلاف تھے تو درس وتدریس، وعظ وتقریر اور کردار وعمل میں قدوۃ العلما اور

محنت و جفا کشی، کردار سازی، دعوت و تبلیغ، مباحثہ اور مناظرہ میں منفرد و بے مثال تھے۔ بلاشبہہ وہ ہمہ جہت شخصیت، تاریخ ساز اور متنوع گلدستۂ چمنستان اسلام تھے۔ اپنے گوناگوں اوصاف وخصائل میں ذروۂ کمال پر پہونچے ہوئے تھے تو فضل وکمال میں اس رتبۂ عالیہ پر فائز تھے جہاں تک ہر کس و ناکس کی رسائی نہیں ہوتی حتٰی کہ اپنے دائرۂ کار میں وسعت کے لحاظ سے فکر رضا کے ترجمان اور بلندیٔ درجات میں آیت کریمہ ''یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ''(اللہ ایمان والوں اور علم والوں کو درجوں بلند فرماتا ہے) کے صحیح معنوں میں مظہر و مصداق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ راقم کے والد گرامی الحاج مولانا محمد یونس قادری حامدی بھی آپ کے کمالات کے بہت مداح تھے اور بارہا ان کی خوبیوں کا چرچا کرتے تھے۔

کون سا جملہ لاؤں ان کی تعریفات میں
صد چراغِ انجمن پنہاں ہیں جنکی ذات میں
شہسوار علم و فن تھے اور بھی لاکھوں مگر
ہاں ظفر ہی معتبر تھے سارے معدودات میں
طالبان علم وفن تھے سیراب ان سے اس طرح
زندگی پاتی ہیں جیسے مچھلیاں برسات میں

اور یہاں یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں ہے کہ جب اعلیٰ حضرت کے شاگرد و خلیفہ اور فکری ترجمان کے علم و عمل اور فضل و کمال کا یہ عالم ہے تو خود اعلیٰ حضرت کے علم و عمل، ورع و تقوی اور فضل و کمال کا عالم کیا ہوگا۔

راقم السطور نے اپنے مقالوں کی تائید میں بطور دلیل یہ حوالہ جات پیش کردیے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضور پرنور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے طفیل ملک العلما کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور اس فقیر کو بھی محبانِ ابرار و صالحین کے زمرے میں داخل فرما کر قیامت کے دن اس کا حشر بھی انہیں کے ساتھ کرے۔ امین ثم امین

واضح رہے کہ ایک مقالہ ''حضرت ملک العلما کی تقوی شعار زندگی'' پروفیسر مختار الدین احمد صاحب علیگڑھ اور دوسرا'' ملک العلما بحیثیت مناظر'' مفتی آل مصطفےٰ جامعہ امجدیہ گھوسی کی نظر ثانی پھر رہبر شریعت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب کی نظر سے گزرنے کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ راقم الحروف ان دونوں کرم فرماؤں اور تمام معاونین کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

محمد عابد حسین قادری برکاتی نوری مصباحی

ار رجب المرجب ۱۴۳۱ھ، بروز پیر

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت ملک العلما کی تقویٰ شعاری

ایک عظیم بزرگ نے فرمایا ہے۔ ''سعادتِ جاودانی و نیک بختیِ دو جہانی کا دروازہ تقویٰ ہے۔ جتنی منزلیں عالمِ ''**لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ**'' میں آراستہ کی گئی ہیں اور جتنے درجے جنت الفردوس میں بنائے گئے ہیں، سب کے سب متقیوں کے لیے سجائے گئے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے وہ نامزد ہیں'' [۱]

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر تقویٰ کا ذکر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ'' (اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدم) سے پیدا فرمایا)۔ کہیں فرمایا، ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ'' (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) اور ایک جگہ فرمایا، ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا یُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ'' (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور درست بات کہو اللہ تمہارے لیے تمہارے اعمال کو درست فرمادے گا) اور کہیں فرماتا ہے، ''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ'' (یقیناً

[۱] مخدوم بہار حضرت شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مکتوبات صدی مترجم، ص ٤٠٤

اللہ تعالیٰ تقویٰ شعاروں کو محبوب رکھتا ہے).

جب بار بار اللہ تعالیٰ بندوں کو تقویٰ کا سبق یاد دلا رہا ہے تو اسی سے تقویٰ کی اہمیت و افادیت سمجھ لینی چاہیے اور ہر فردِ بشر کو تقویٰ ضرور اختیار کرنا چاہیے۔

تقویٰ کے کئی معنیٰ آتے ہیں۔ خوف کرنا، ڈرنا، پرہیز گاری اختیار کرنا اور خوف کی چیزوں سے بچنا۔ اور عرف شرع میں ممنوعات اور گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے ارشاد فرمایا۔ متقی وہ ہے جو شرک، کبائر اور فواحش سے بچے۔

ایک قول یہ ہے: معصیت پر اصرار اور اطاعت پر غرور کا ترک تقویٰ ہے۔

بعض کا قول ہے کہ تقویٰ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کا نام ہے۔

اور ایک قول ہے: تقویٰ حرام چیزوں کا ترک اور فرائض کا ادا کرنا ہے۔

باہم ان معانی میں کوئی تضاد نہیں، سب ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ ان تمام کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ کا ڈر دل میں بسا کر اس کی نافرمانی اور گناہوں سے بچنے اور اس کے اور اس کے رسول عزوجلّ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام و شرائع کو بجالانے کا نام تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

''ھدی للمتقین'' کی تفسیر میں خزائن العرفان میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان نے تقویٰ اور متقی کے معانی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

''حضرت مترجم (اعلیٰ حضرت) قدس سرہ نے فرمایا، تقویٰ کی سات قسم ہے، (۱) کفر سے بچنا۔ یہ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حاصل ہے، (۲) بد مذہبی سے بچنا، یہ ہر سنّی کو نصیب ہے، (۳) ہر کبیرہ سے بچنا (۴) صغائر سے بھی بچنا (۵) شبہات سے احتراز (۶) شہوات سے بچنا (۷) غیر کی طرف التفات کرنے سے بچنا۔ یہ اخص الخواص کا منصب ہے اور قرآن عظیم ساتوں مرتبوں کا ہادی ہے''۔

تقویٰ سے متصف ہونے کے بعد انسان تمام گناہوں سے دور اور فلاح و بہبود سے ہمکنار ہو کر ہادی و مہدی بن جاتا ہے یعنی وہ خود اللہ تعالیٰ کی عنایت و ہدایت سے ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت کی راہ پر گامزن کرنے والا ہو جاتا ہے، ہاں وہ کامل و مکمل ہو جاتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلما علامہ مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت بہت نمایاں، ممتاز اور قدآور معلوم ہوتی ہے۔ نو سال بریلی شریف میں قیام کا زمانہ ہو یا چھ سال سہسرام کا، مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ ہو خواہ جامعۂ لطیفیہ کٹیہار، مدرسۂ حنفیہ آرا

ہو یا ظفر منزل پٹنہ کے قیام کا دور، آپ جہاں کہیں بھی قیام پذیر رہے یہ نہیں سنا گیا کہ احکام شریعت کی ادائی میں کوئی کمی کی اور فتویٰ یا تقویٰ کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔ آپ جہاں کہیں بھی رہے عبادت و ریاضت کو اپنا حرزِ جان بنایا، کبائر و فواحش سے بالکلیہ احتراز کیا، فرائض و واجبات اور سنن کی مکمل پابندی کی، جادۂ شریعت پر قائم و دائم رہے۔ اور کبھی اپنے ان معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دیا حتیٰ کہ آخری دم تک اس پر ثابت قدم رہے۔ ہمارے اس دعوے کا ثبوت ذیل کے اقتباس سے بھی ہوتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب رقم طراز ہیں،

''ملک العلما عرصہ سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن ان کی عبادت و ریاضت میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی، نہ ان کے روزانہ کے معمولات میں کوئی فرق آیا۔ زندگی کے آخری دن تک علمی و دینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے''۔ [۲]

اس طرح تقویٰ کے تمام معانی آپ پر صادق آتے ہیں۔ خواہ خوف الٰہی دل میں بسانے کا معنی ہو یا خوف کی چیزوں سے بچنے کا، کبائر و فواحش سے پرہیزگاری کا معاملہ ہو یا اتباعِ رسول اور اطاعتِ صحابہ کا اور معصیت پر

---

[۲] پروفیسر مختار الدین آرزو، مقدمہ صحیح البہاری ص ۱۰

اصرار اور طاعت پر غرور کے ترک کا معنی ہو یا حرام چیزوں کے ترک اور فرائض کی ادائی کا، ہر اعتبار سے آپ تقویٰ سے مزین اور آراستہ تھے۔

ملک العلما کا تقویٰ مہدی ہونے کی حیثیت سے: حضرت ملک العلما قدس سرہ العزیز کی حیاتِ طیبہ پر ہم غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ تقویٰ کی اعلیٰ منزل اور بلند مقام پر فائز ہیں، کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کی عنایت و ہدایت سے نہ صرف زبردست عالم و فاضل، اخلاق و کردار کے پیکر، مایہ ناز واعظ و مفتی، ستّر (۷۰) سے زائد کتابوں کے مصنف تھے بلکہ وہ ہادی و مہدی تھے (یعنی خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت دینے والا)۔ اور شک نہیں کہ جو بھی ہدایت یافتہ اور صراط مستقیم پر گامزن ہوگا وہ متقی ہوگا۔ آپ کی تقویٰ شعاری کی شہادت اپنے وقت کے مجدد اعظم نے بھی دی ہے، جو سخت محتاط تھے اور بہت ہی سوچ سمجھ کر کسی کو القاب و خطابات سے نوازتے تھے۔ اس ذات ستودہ صفات نے آپ کو مہدی (ہدایت یافتہ) کا خطاب دیا ہے۔ نہ صرف ہدایت یافتہ بلکہ ہزاروں کو رشد و ہدایت کی ڈگر پر لا کھڑا کرنے والا فرمایا ہے۔

مجدد اعظم محدث بریلوی قدس سرہ نے اپنی وفات سے بارہ سال قبل ۵/ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو (جبکہ ملک العلما ۲۵/ سال کی عمر کے تھے) انجمن نعمانیہ لاہور کے ناظم کو ایک مکتوب لکھا تھا جس میں حضرت ملک العلما

کی کئی خوبیوں کو بالصراحۃ بیان کرنے کے علاوہ آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے، ''ہادی مہدی ہیں''۔[۳]

وقت کے ایک عظیم محقق اور نقاد کا جو القاب وخطاب میں مبالغہ آرائی کا قائل نہ تھا، ہادی اور مہدی جیسے القاب سے نوازنا بلاشبہ ملک العلما کے تقویٰ وطہارت اور فضل وکمال کا بیّن ثبوت ہے۔

واضح رہے کہ یہ دونوں القاب اس لیے بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ذوالخلصہ بت خانہ کو ڈھانے کے لئے بھیجتے وقت انکے حق میں یہ دعا کی تھی۔

''اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا وَّ مَهْدِيًّا''[۴] ترجمہ: اے اللہ! اسے ثابت قدم رکھ اور اسے ہادی اور مہدی بنا)

آپ کا تقویٰ ثبات علی السنّۃ کی جہت سے: تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر بھی مداومت برتے اور پوری پابندی کرے۔ بغیر سنتِ رسول اور اسوۂ حسنہ اپنائے کوئی متقی نہیں بن سکتا۔ استقامت علیٰ الدین اور ثبات علی السنّۃ

---

[۳] مکاتیب ملک العلما

[۴] بخاری جلد ثانی باب غزوۂ ذی الخلصہ ص، ۶۲۴

کے حصول کے بعد ہی انسان متقی کہلاتا ہے۔

حضرت ملک العلما قدس سرہ جہاں علم وفن کے بحر ذخار، بلند پایہ فقیہ، ماہر مفتی اور بے شمار کتابوں کے مصنف تھے وہیں آپ کو فرائض و واجبات پر مداومت کے ساتھ سنتوں پر ثبات واستقامت بھی حاصل تھی۔سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ ایک دوسرے مکتوب میں آپ کو نوازتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''آپ کے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے'' ۵

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی عنہ المولیٰ نے حضرت ممدوح کو ایک خط میں ''حامی السنۃ ، ماحی الفتنہ'' بھی لکھا ہے یعنی سنت کی حمایت کرنے اور فتنوں کو مٹانے والا۔جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حضرت ملک العلما سنت رسول پر عمل کے اعتبار سے بھی تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے، کیونکہ سنتوں کی تبلیغ ودعوت اوران کی حمایت وحفاظت کسی سے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اسے خود ہی سنتوں پر ثبات واستقامت حاصل نہ ہو۔

<u>ثبات علی النوافل کی جہت سے:</u> سنت تو سنت حضرت ملک العلما قدس سرہ نوافل پر بھی مداومت برتتے تھے۔سنت نمازیں ہوں یا سنت روزے، ہر ایک کو دوام کے ساتھ عمل میں تولاتے ہی تھے، وہ کوشش کرتے تھے کہ نوافل کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیں۔اس حوالے سے وہ جمعرات و جمعہ کو بھی

---

۵ مقدمہ صحیح البہاری ص ۲

روزہ رکھتے تھے اور ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵۔ تاریخ کے روزے پر بھی استقامت برتتے تھے، ان روزوں کی حیثیت نفل و مستحب سے زیادہ نہیں۔ اس کے باوجود ان کی پابندی حضرت ملک العلما کے کمالِ تقویٰ کی دلیل ہے۔ غالباً ان کے پیش نظر حدیث قدسی میں مذکور رب تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان عالیشان تھا "وَمَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِا لنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُـهٗ"۔ [٦] (میرا بندہ نوافل کے ذریعہ برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں)

یہ حدیثیں بھی نظر میں ہوں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"رمضان کے روزے اور ہر مہینے میں تین دن کے روزے سینہ کی خرابی کو دور کرتے ہیں"۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں،

"جس سے ہو سکے ہر مہینے میں (ایام بیض کے) تین روزے رکھے کہ ہر روزہ دس گناہ مٹاتا ہے اور گناہ سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسا پانی کپڑے کو"۔

نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

---

[٦] بخاری شریف۔ مشکوٰۃ شریف ج۱، ص ۱۹۷، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ

''جس نے چہار شنبہ و پنجشنبہ و جمعہ کو روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک مکان بنائے گا جس کا باہر کا حصہ اندر سے دکھائی دیگا اور اندر کا باہر سے'' ؎

اب ہمارے اس دعوے کے ثبوت کے لیے ذیل کی شہادت ملاحظہ کیجیے۔ ۱۴ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ۔ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۹۹ء کو گرامی قدر سید عبدالمنان مرحوم پٹنہ سٹی کے صاحبزادے گرامی وقار جناب حافظ سید ضیاء الحق صاحب مرحوم سابق استاذ مدرسہ فیض العلوم نے ایک نشست میں راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ ''ہمارے یہاں برابر حضرت ملک العلما کا ورود مسعود ہوتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ والرضوان نماز اور دیگر فرائض کی ادائی کے ساتھ ہر ماہ ۱۳ر۱۴ر۱۵ر تاریخ کو ضرور روزہ رکھتے تھے۔ آپ کو جمعرات اور جمعہ کے روزے بھی بالالتزام رکھتے دیکھا گیا''۔

عمامہ باندھنے پر التزام: حضرت ملک العلما قدس سرہ العزیز کے تعلق سے یہ بات بھی ملحوظ نظر رکھنی چاہیے کہ جہاں آپ بہت سے سنن و نوافل کے سخت پابند تھے وہیں عمامہ جیسی سنت ادا کرنے میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں۔ آج عوام تو کجا خواص بھی عمامہ جیسی سنت سے غافل ہیں۔ اس کی

؎ بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۳۹۔۱۴۰۔ بیان فضائل روزۂ نفل۔

فضیلتوں کو جانتے ہوئے بھی اپنے تکاسل وسستی سے اس پر عمل پیرا نہیں، جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک جمعہ کی نماز عمامہ کے ساتھ پڑھنا بغیر عمامہ والی ستّر (۷۰) نمازوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

وہی سید صاحب موصوف فرماتے ہیں۔

''آپ کا چہرہ بہت وجیہ اور پرکشش تھا، لمبا قد، گھنی اور لمبی داڑھی، اچکن اور علیگڑھی پائجامہ میں ہمیشہ ملبوس رہتے تھے۔ سر پر شاندار عمامہ لپیٹے رہتے۔ آپ کا عمامہ موٹے کپڑے کا ہوتا تھا۔ رفتار میں سبک خرامی تھی ۸ اور ہاتھ میں چھڑی لیے باوقار انداز میں خراماں چلتے''۔

حضرت علامہ مولانا محمد شہاب الدین اشرفی علیہ الرحمہ تلمیذ رشید حضرت ملک العلما فرماتے ہیں'' حضرت ملک العلما لباس لمبا زیب تن فرماتے، لمبی پگڑی سر پر باندھتے (مضمون ملک العلما کی زندگی کے چند گوشے۔ قلمی نسخہ)

---

۸ آپ کا یہ اندازِ رفتار قرآن وحدیث کی پیروی میں تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ آپ نے اپنے استاذ ومرشد سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عمل سے یہ سیکھا۔ سیدنا اعلیٰ حضرت کے چلنے کی کیفیت حضرت ملک العلما خود ہی سید ایوب علی قادری مرحوم کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ (سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی) سبک خرامی کا یہ حال تھا کہ کبھی حضور کے چلنے میں پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔ اکثر اوقات ایسا ہوا کہ میں اور برادرم قناعت علی پھاٹک میں سہ دری کے اندر کام کررہے ہیں اور حضور پرنور کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لے آئے اور پورا صحن نشستگاہ طے فرما کر خود تقدیم سلام فرمائی، تب ہم خبردار ہوئے (حیات اعلیٰ حضرت جلد اول ص ۲۷)

ایک سوال کے جواب میں سید صاحب موصوف نے آپ کے اخلاق وکردار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

”آپ کا اخلاق بلند پایے کا تھا۔ آواز بلند تھی مگر کسی سے ڈانٹ پھٹکار کے لہجے میں تکلم نہیں فرماتے۔ سبھوں سے محبت و اخلاص اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے، ایک خاص خوبی یہ تھی کہ آپ متصلب سنی بریلوی تھے اور کیوں نہ ہو کہ آپ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے شاگرد تھے۔ بچوں کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ میرے بڑے بھائی سید بدر الدین صاحب مقیم الحال پاکستان سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ کبھی کبھی محبت میں انہیں گود میں لے لیتے تھے“۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے موصوف نے فرمایا،

”ملک العلما ہم لوگوں کے مقابلے میں خوشحال تھے، ان کی مالی حیثیت اچھی تھی کیونکہ مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ملازمت سے اور مدارس کے مقابلے میں ان کی اچھی خاصی تنخواہ تھی اور ہم لوگوں کی مالی حیثیت اس وقت کمزور تھی، اس کے باوجود میرے یہاں بہت سادہ ہی کھانا آپ خوشی خوشی تناول فرما لیتے تھے اور بلا تکلف سبزی، آلو کا بھرتا اور بھاجی بھی کھالیتے تھے۔ دن میں چاول اور رات کو روٹی کھاتے تھے“۔

ملک العلما کا تقویٰ جذبۂ ایثار کی جہت سے: ایثار کے تعلق سے پروردگار

عالم نے ارشاد فرمایا ہے،"وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"۔(سورہ حشر آیت۔۹۔ترجمہ۔اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو۔کنز الایمان)۔یعنی ایثار کرنے والے اگر چہ کسی مخصوص چیز کے خود ضرورت مند ہوں مگر اپنے نفس کو مار کر اسے اپنے مسلمان بھائی کو دے دیتے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۹ (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے) مطلب یہ ہے کہ تقویٰ اور کمالِ ایمان اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ آدمی اپنی پسند کو اپنے بھائیوں کے لیے قربان کردے،قربانی کا دائرہ بہت وسیع ہے،بھائی بھائی کے لیے،بیٹا ماں باپ کے لیے،شاگرد استاذ کے لیے اور ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے لیے بلکہ ہر انسان دوسرے انسان کے لیے جذبۂ ایثار رکھے تب کہیں جا کر وہ مومن کامل اور متقی ہوگا۔

ایثار کے متعلق حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب"کشف المحجوب"میں حضرت ابوالحسن احمد نوری علیہ الرحمہ والرضوان کے حوالے سے لکھتے ہیں،

۹ بخاری جلد اول کتاب الایمان۔

''درویشوں کے لیے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ اور یہ کہ ہم نشیں کا دوسرے ہم نشیں کے لیے ایثار بھی فرض ہے۔'' [۱۰]

''ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کی حفاظت کرے اور اپنے حق سے اس کے حق کی خاطر دستبردار ہو جائے اور اپنے رفیق کو آرام وراحت پہنچانے میں خود تکلیف برداشت کرے اور اپنے آرام وراحت کو اس پر قربان کردے۔'' [۱۱]

''حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لیے اپنی محبوب و مرغوب چیز سے دستکش ہونے سے زیادہ شدید چیز کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیوں کی کنجی محبوب چیز کو خرچ کرنے کو بتایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے۔'' لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ '' (ہرگز ہرگز نیکی نہ پاؤ گے جب تک کہ اپنی محبوب چیز سے خرچ نہ کرو گے) [۱۲]

ایثار کا معنٰی و حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اسکی جیتی جاگتی تصویر دیکھنی ہو تو یکسوئی کے ساتھ حضرت ملک العلما کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈالیے پھر معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی اخوت اور مسلک و عقیدت سے گہری وابستگی کی بنیاد پر ایک عالم دین کی بارگاہ میں ایثار و قربانی کا تحفہ نچھاور کر کے وہ تقویٰ اور کمالِ ایمان کی کس منزل سے ہمکنار ہوئے۔ اصل الفاظ سے محظوظ

---

[۱۰] کشف المحجوب مترجم، ص ۲۷۴، ترجمہ مفتی غلام معین الدین نعیمی مرحوم [۱۱] ایضاً ص ۲۷۵ [۱۲] ایضاً ص ۲۸۲

ہونے کے لیے واقعہ کی تفصیل ان ہی کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں،

''۱۳۳۴ھ کے سردی کا موسم ہے، میں ایک دن مراد پور چھینٹ دیکھنے کے لیے گیا۔ ایک دوکان پر سبز زمین پر بہترین چھینٹ پر نظر پڑی اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا تھان دیکھا جو پٹر یدار چھینٹ تھی۔ ان دونوں تھانوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ اس کپڑے کی دولآئی بنوائی جائے اور بیل اس میں لگائی جائے تو بہت بہتر دولائی ہو۔ چند احباب ساتھ تھے انہوں نے بھی اس دولائی کو بہت ہی پسند کیا۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ واقعی یہ دولائی بہت ہی نفیس اور بہتر ہوگی تو اس لیے مناسب ہے کہ بہتر ہی شخص کے لیے بنے اور میں نے ارادہ مصمم کرلیا کہ تیار کر کے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بذریعۂ رجسٹری پارسل روانہ کروادوں گا۔ احباب نے کہا کہ استر کے لیے یک رنگا ہی خرید لیجیے۔ میں نے اپنا قصد ظاہر کیا کہ اعلیٰ حضرت کے لیے صندلی رنگ کا استر مناسب ہے۔ چنانچہ ململ لے کر مراد پور (پٹنہ) ہی میں صندلی رنگ رنگنے کو دیدیا۔

الغرض جیسا میں چاہتا تھا بہتر سے بہتر وہ دولائی سلکر تیار ہوئی۔ میں نے پارسل سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کردی۔ اور اس پر حضرت

؎ دولائی: جاڑوں میں اوڑھے جانے والا ایک دوہرا کپڑا (فیروز اللغات)

حسن میاں صاحب مرحوم مغفور کا یہ مصرع لکھ دیا۔

سرکار میں یہ نذرِ محقّر قبول ہو۔[۱۳]

اگر ذہن پر بار نہ ہو تو لگے ہاتھوں ذرا سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا ایثار بھی زیب نظر کر لیجیے۔ ملک العلما قدس سرہ واقعہ بالا کے متصلاً ہی لکھتے ہیں،

''جناب مولوی امجد رضا صاحب عرف ماموں میاں صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جس وقت وہ پارسل بریلی شریف پہونچا اس وقت میں بھی حاضرِ خدمت تھا، سیل و مہر جدا کرنے کے بعد پارسل کھولا گیا اور دولائی برآمد ہوئی، اعلیٰ حضرت اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جتنے لوگ اس وقت کاشانۂ اقدس میں موجود تھے سب نے بہت پسند کیا اور بہت تعریف کی اور واقعی وہ دولائی ہر حیثیت سے قابل تعریف تھی۔ اعلیٰ حضرت نے سب کے اصرار پر اسے اوڑھا اور مسہری پر تشریف فرما ہوئے کہ میری زبان سے بے اختیاری میں یہ فقرہ نکلا، واقعی بہت عمدہ دولائی ہے، جوانوں کے لائق ہے۔ یہ سنتے ہی اعلیٰ حضرت نے وہ دولائی مجھے عطا فرما دی کہ تم اسے اوڑھو، حالانکہ میں نے اس غرض سے یہ جملہ نہیں کہا تھا، لیکن اعلیٰ حضرت نے باصرار مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری خوشی اسی میں ہے۔[۱۴]

[۱۳] حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۵۸، مطبوعہ قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ، نومحلہ بریلی شریف
[۱۴] حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۵۸ مصنفہ ملک العلما مولٰینا ظفر الدین بہاری رحمہ اللہ

یہ تو حضرت ملک العلما کا کمالِ شوق و وفورِ عقیدت ہے کہ اپنے مرشد اعظم کی بارگاہ میں محبت کی سوغات نذر کریں، ذرا امام احمد رضا کے حوصلہ افزائی کے اچھوتے الفاظ سے بھی محظوظ ہو لیجیے۔ آپ نے جواب میں لکھا،

''مولیٰ عز و جل آپ کو جزائے وافر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کی رضائی محلِ رضا میں کام آئی۔''

ملک العلما اور کثرتِ وظائف: تقویٰ کے حصول میں واجبات و سنن کے بعد احادیث میں مروی اوراد اور قرآنی وظائف کا خاص دخل ہے۔ جتنی دیر آدمی تلاوتِ قرآن اور وظائف میں مشغول رہتا ہے یاد الٰہی میں مصروف اور گناہوں سے مجتنب رہتا ہے، اس کی ترقیِ درجات ہوتی ہے، اس کے دل کو تازگی اور روح کو بالیدگی ملتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے، ''مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَیِّتِ''[۱۵] (اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور ذکر سے غافل رہنے والے کی حالت زندہ اور مردہ کی سی ہے) یعنی ذکر کرنیوالا زندہ ہے اور ذکر سے غافل رہنے والا مردہ ہے۔ لہٰذا صحاح ستہ و دیگر کتب احادیث ان وظائف اور دعاؤں سے لبریز ہیں اور ان کے فضائل بھی وہاں مذکور ہیں۔ کوئی ہر نماز کے بعد پڑھنے کا، کوئی صبح و شام کا اور کوئی سوتے وقت بستر پر پہنچنے پر۔ ان سے کئی فوائد

[۱۵] بخاری شریف جلد دوم ص ۹۴۸

حاصل ہوتے ہیں، محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول پیدا ہوتا ہے، جو تقویٰ کی روح ہے پھر آدمی سلوک کی راہ طے کرتا اور رضائے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

واقعات و شواہد گواہ ہیں کہ حضرت ملک العلما علیہ الرحمۃ والرضوان عشقِ رسول سے سرشار، شریعت مطہرہ کے پاسدار، راہ سلوک کے مجاہد دوراں، تصوف میں امام غزالی اور کثرتِ مشاغل کے باوجود قرآن و حدیث کے مطالعہ میں مشغول اور اوراد و وظائف میں منہمک رہنے والے عالم باعمل تھے۔

آپ کے لیل و نہار کے عینی شاہد پروفیسر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں۔

''وہ عالم باعمل تھے، شریعت کے سخت پابند، طریقت کی راہ کے مجاہد اور حبِّ رسول میں سرشار، ان کی زندگی کا نظام الاوقات سخت منضبط تھا۔ انہوں نے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کر رکھے تھے کہ گوناگوں مشغولیات کے باوجود ان کا خاصا وقت وظائف و اوراد اور یادِ الٰہی کے لئے مخصوص تھا۔''[١٦]

کئی سال قبل سید ضیاء الحق صاحب مرحوم نے ایک مجلس میں راقم سے فرمایا:

[١٦] مقدمہ صحیح البہاری ص۔ا۔ مطبوعہ خواجہ پرنٹنگ پریس، کھوکھر محلہ، حیدرآباد، پاکستان

''حضرت ملک العلما مولٰینا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور میرے والد گرامی سید مولانا عبد المنان صاحب مرحوم اور سید شاہ صبیح الحق سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی کے درمیان گہرے مراسم وروابط تھے۔اس لحاظ سے خانقاہ اور میرے والد مرحوم کے پاس ان کا بہت آنا جانا تھا۔حضرت موصوف مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ میں سینیر استاذ تھے اور بعد کو پرنسپل بھی ہو گئے۔وہ ہر جمعرات کو خانقاہ تشریف لے آتے تھے، ہمارا مکان خانقاہ کے سامنے ہی تھا، وہ جمعہ کو رہتے اور سنیچر کو تشریف لے جاتے۔ حضرت ملک العلما نماز اور جماعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔امامت کبھی وہ کرتے اور کبھی میرے والد مرحوم۔میں دیکھتا تھا کہ کھانا اور نماز عشا سے فراغت کے بعد حضرت ملک العلما قدس سرہ اپنی آرام گاہ پر پہنچتے اور گھنٹوں قرآن شریف اور وظائف پڑھتے رہتے، سورۂ مزمل شریف، سورۂ یٰسین شریف وغیرہا اور کبھی دیگر وظائف واوراد۔خیال ہے کہ ڈھائی سے تین گھنٹہ تک پڑھتے۔مثلاً دس بجے شروع کیا تو ایک بجے رات کو پڑھنا موقوف کرتے تھے،اس کے بعد ہی سوتے۔''

سید صاحب موصوف کے قول کی تائید مولانا شہاب الدین اشرفی مرحوم کٹیہار کے اقتباس سے بھی ہوتا ہے۔آپ لکھتے ہیں،

''حضرت ملک العلما جہاں علم کے پہاڑ تھے وہیں تقویٰ و پرہیزگاری اور نیک نفسی کے عظیم درجہ پر فائز تھے۔نماز با جماعت کی سختی سے پابندی ،اذکار و وظائف کی کثرت اور امر شرع پر عمل درآمد ،منہیاتِ شرع سے پرہیز ، یہ سب آپ کے تصوفانہ کردار کے جلوے تھے ،ضعف ونقاہت کے باوجود ان کی عبادت وریاضت میں فرق نہیں آتا۔ وہ روزانہ کے معمولات حسب سابق انجام دیتے تھے۔'' (مضمون ملک العلما کی زندگی کے چند گوشے۔قلمی نسخہ وغیرہ)

الوظیفۃ الکریمہ سے دلچسپی: حضرت ملک العلما کو معمولات اور وظائف سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور رسالہ مبارکہ ''الوظیفۃ الکریمہ'' سے خاصی دلچسپی تھی۔ ''الوظیفۃ الکریمہ'' قرآنی ادعیہ اور احادیث کے وظائف واعمال کا مجموعہ ہے جنہیں سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے جمع کیا ہے ،اس کے سارے وظیفے آپ کے عمل میں رہے ہیں۔ان اوراد و وظائف کی اجازت آپ نے حضرت ملک العلما قدس سرہ کو بھی دی تھی۔ حضرت ملک العلما نے ان کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ ''الدین النصح ''ؔ کے تحت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے فیوض وبرکات سے متمتع اور مستفیض کرنے کی نیت سے اس کے متعدد نسخے منگوا کر

ؔ ترجمہ:۔دین خیر خواہی کا نام ہے(رواہ مسلم والبخاری فی کتاب الایمان)

لوگوں میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔ اور اس کی اجازت دے کر پڑھنے کی تلقین فرماتے، تا کہ عام مسلمان بھی تقویٰ و طہارت کی منزلیں طے کر سکیں۔ حضرت ملک العلما قدس سرہ کو" الوظيفة الكريمه " کے وظائف و اعمال سے کس قدر محبت و شیفتگی تھی اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ بار بار حضرت مولانا تقدس علی خاں رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان (متوفی ۱۹۸۸ء) کو خط لکھ کر یاد دہانی کراتے اور لاہور سے یہ رسالہ منگواتے رہتے تھے۔ ان کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں:

''ابھی تک آپ نے ''الوظیفۃ الکریمہ'' نہیں بھیجا جسکی سخت ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ دو نسخے ''النھی الاکید'' اور ایک نسخہ ''احسن الوعاء'' اور چار نسخے ''وظیفۂ کریمہ'' کے رجسٹری یا وی پی کر کے بھیج دیجئے'' [۱۷]

آپ نے اپنے رسالۂ مستطاب ''تنویر المصباح عند حی علی الفلاح'' کے آخر میں نفعِ مسلمین کے لیے اس وظیفۂ کریمہ سے دعائیں منتخب فرما کر بھی چھپوائے اور ان لفظوں میں سنی مسلمانوں کو اجازت دی:۔

''فقیر حقیر ظفر الدین قادری رضوی (غفر له المولى القوى) اپنے سنی صحیح العقیدہ حنفی بھائیوں کو ان دعاؤں کے پڑھنے کی اجازت دیتا

---

[۱۷] مکاتیب ملک العلما ص۔۲۱۔

ہے۔ ''کَمَا اَجَازَنِی شَیْخِی وَ مُرْشِدِی قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ بِسَنَدِہٖ الْمُتَّصِلِ الْمَرْفُوْعِ وَھُوَ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ''۱۸؎

اس رسالہ کے وظائف و معمولات واقعی بہت کارآمد ہیں۔اس کی افادیت کے پیش نظر فقیر راقم الحروف نے اس کی شرح لکھ کر''وظائف امام احمد رضا'' کے نام سے شائع کردیا ہے۔

وقتِ وفات وظیفہ''اَللّٰہُ'': حدیث شریف میں ہے''اِنَّمَا الْعِبْرَۃُ بِالْخَوَاتِیْمِ ''(اعتبار خاتمے ہی کا ہے)اور ایک دوسری حدیث میں ہے، ''مَنْ کَانَ آخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ''۱۹؎(یعنی موت کے وقت جس کی زبان سے آخری کلام''لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

ان احادیث طیبہ کی روشنی میں زندگی بھر کوئی شخص بلائے کفر میں مبتلا رہا(العیاذ باللہ)اور اخیر میں ایمان لے آیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور کوئی شخص پوری حیات عبادت و ریاضت کرتا رہا مگر آخری وقت میں (معاذ اللہ) کفر کردیا تو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت ملک العلما قدس سرہ کا خاتمہ بھی اسی طرح یاد الٰہی میں ہونا سب پر ظاہر ہوگیا، جس

۱۸؎ خاتمہ رسالہ تنویر المصباح عند حی علی الفلاح۔ شائع کردہ محمد صابر حسن خاں صابری فاروقی مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۵۱ء، ۱۹؎ ابوداؤد شریف، صحیح البہاری جلد دوم ص۶۴۷

طرح ان کی پوری حیات ذکر ''اللہ'' اور دیگر وظائف واوراد میں گزری۔

پروفیسر مختار الدین احمد رقم فرماتے ہیں:

''شب دوشنبہ ۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ۔ ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکر جہر ''اللہ، اللہ'' کرتے انہوں نے اپنی جان جان آفریں کو اس طرح سپرد کی کہ کچھ دیر تک اہل خانہ کو اس بات کا احساس بھی نہ ہوا کہ وہ واصل بحق ہو چکے ہیں''۔[۲۰]

پیر کے دن کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ کی پیدائش اور وصال ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت ملک العلما قدس سرہ کا پیر کی شب میں وصال فرمانا فضیلت و برکت کے حوالے سے ملحوظ خاطر رہے۔

آپ کا تقویٰ اخلاص کی جہت سے: عبادات کے مقبول ہونے کے لیے اخلاص سے بھی مزین یعنی مخلص ہونا ضروری ہے۔ خلوص اور صدقِ نیت کے بغیر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ اخلاص کے معنٰی ہیں، محض رضائے الٰہی کے لیے عمل کرنا، کسی کے دکھاوے کے لیے نہیں، حصول ثواب اور آخرت مطلوب ہو، کسی بندے کی خوشنودی نہیں۔ اسکی ضد ریا اور سمعہ ہے۔ ریا کے معنی ہیں، اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے دکھاوے اور نمائش کیلئے کام کرنا، اور سمعہ کے معنی ہیں دوسرے کو سنانے کے لیے ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات کرنا

[۲۰] مقدمہ صحیح البہاری

یعنی اس لیے عبادت کرنا تا کہ لوگ سنیں اور اچھا جانیں۔ یہ دونوں چیزیں بہت قبیح ہیں۔ ان کی وجہ سے عبادت کا ثواب نہیں ملتا بلکہ الٹا گناہ سر پر عائد ہوتا ہے۔ اور ایسا آدمی مستحق عذاب ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ''ریا'' کو چھوٹا شرک فرمایا ہے، ''الریا ھو الشرك الاصغر ۔'' اس کو شرک اس لیے فرمایا گیا کہ اللہ کی عبادت میں اس کی رضا طلبی کے ساتھ یا اس کی بجائے غیر اللہ کی خوشنودی کو شریک کر لیا گیا اور جب تک آدمی اپنے اندر سے اس شرک خفی یعنی ریا کو نکال کر نہیں پھینک دے گا وہ خالص مخلص اور متقی نہیں ہو سکتا، اسے رضائے مولیٰ حاصل نہ ہوگی۔ وہ اس طرح کی لاکھ عبادت کرے حقیقتِ ایمان اور توحید حقیقی نہیں پا سکتا۔ اس کے برخلاف جو ان خامیوں سے خود کو پاک و بے داغ رکھتا ہے وہ تقویٰ کی منزل پر فائز المرام ہوتا ہے۔ اسے رضائے مولیٰ اور ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس کی آخرت سنور جاتی ہے۔

اس شرک خفی یعنی ریا اور سمعہ سے اجتناب اور اخلاص سے متعلق حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں،

''تو جان کہ اگر چہ یہ شرک ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا مگر ایمان کی حقیقت اور ایمان کے فائدوں کو نقصان ضرور پہونچاتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے خالص سونا بھی سونا ہے اور وہ سونا جس میں ملاوٹ ہے، وہ بھی سونا ہے لیکن یہ اس خالص سونے کے برابر نہیں ہو سکتا اور اس کی قیمت کم ہوگی

اور حقیقت میں ایمان خداوند تعالیٰ کی توحید ہے اور توحید شرک کی ضد ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب تک شرک نہیں اٹھ جائیگا توحید نہیں حاصل ہو سکتی۔ جب شرک کی جڑا کھڑ جائیگی اپنی اصل شکل میں توحید ظاہر ہوگی۔ اگر مقصود یہ ہے کہ ایمان اور توحید اصلی صورت میں سامنے آئے تو جتنی شرک کی آلودگی اور آمیزشیں ہیں ایک ایک کر کے نکال دو اور وہ آلودگی شرک خفی ہی ہے۔ اور شرک خفی کا معنی خدا کے سوا دوسری شخصیت سے نفع اور نقصان کا دیکھنا ہے۔ اور امید اور ڈر خدا کے سوا کسی دوسری ذات سے کرنا اور لوگوں کی تعریف سے خوش ہونا اور اپنی مذمت اور برائی سنکر رنجیدہ ہونا یہ سب شرک خفی میں داخل ہے۔ [۲۱]

حاصل کلام یہ کہ شرک خفی یعنی ریاکاری سے خود کو بچا لینے کا نام اخلاص ہے اور بغیر اخلاص کے سارا عمل ناکام ہے۔ اور اخلاص اور صدقِ نیت کے ساتھ عمل کیا جائے گا تو تقویٰ شعاری آئے گی اور اس کا عامل صاحب تقویٰ وطہارت ہوگا۔ لہٰذا ہر انسان کو اللہ و رسول عز وجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی ہی کی نیت سے عبادات بجالانی چاہئے۔

مخفی نہ رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر مقربانِ بارگاہ کو وسیلہ سمجھ کر نفع پہونچانے والا ماننا اور ان سے امیدیں رکھنا، ان سے

[۲۱] مکتوبات صدی ص ۳۰۰۔ مکتوب ۴۴

ڈرنا اللہ تعالیٰ سے، ہی نفع مانگنا، اسی سے امیدیں رکھنا اور اسی سے ڈرنا ہے۔

حضرت ملک العلما قدس سرہ اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔آپ کا جو بھی قدم اٹھتا رضائے الٰہی اور طلبِ ثواب کیلئے اٹھتا تھا۔آپ کے لیل و نہار آخرت کے سنوارنے میں گزرتے تھے، آپ کا کوئی کام ریا اور تفاخر کے طور پر نہیں تھا۔

مجدد اعظم محدث بریلوی قدس سرہ حضرت ملک العلما کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ'' [۲۲]

گوکہ ملک العلما کے مخلص ہونے کے اثبات میں یہ جملہ مختصر ہے مگر اپنے اندر اتنی وسعت و جامعیت لیے ہوئے ہے کہ حضرت ملک العلما کے متقی اور مخلص ہونے کی جہت سے مجدد اعظم قدس سرہ کے اس فرمانِ عظمت نشان کے بعد کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں، کیونکہ مجدد اعظم خود سراپا مخلص اور کمال حزم و اتقا والے تھے۔ایسے کہ اپنے خلفا اور تلامذہ کو بھی تقویٰ و طہارت کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔وہ تقریروں میں نہ خود طلبِ نذرانہ کے قائل تھے اور نہ ہی اپنے شاگردوں کو اس روش پر چلتے دیکھنا چاہتے تھے بلکہ وہ اپنے خلفا، تلامذہ اور عقیدت مندوں کو وصیت کرتے تھے۔

---

[۲۲] مکتوبات امام اہلسنت مشمولہ حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول ص ۲۴۴

''حاشا اللہ! تبلیغ دین میں نذرانہ اور کسی دنیاوی منفعت کی امید تو کجا اس کا وہم وخیال بھی دل میں نہ لایا جائے، محض خوشنودیِ مولیٰ اور دعوت و تبلیغ دین و نفع مسلمین کی نیت رکھی جائے۔''

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت جیسا استاذ صدیوں سے دنیا نے نہ دیکھا نہ ویسا مرشد کامل ان کے عصر میں پایا گیا اور نہ ایسا کہیں پایا جاتا ہے۔ ان کی تربیت کا انداز بڑا نرالا تھا، ایک لمحہ میں ایک جملے سے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیتے تھے اور دنیا کی محبت دل سے نکال کر دین کی ڈگر پر لا کھڑا کر دیتے تھے۔ مشہور ہے کہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت قدس سرہ اولاً حکمت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے اور طب یونانی کا مطب چلاتے تھے، جس میں صبح اٹھتے ہی مریضوں کا قارورہ (پیشاب) دیکھنا ہوتا ہے۔ حافظ الحدیث حضرت محدث سورتی قدس سرہ العزیز کے حکم پر حاضرِ بارگاہ رضا ہوئے تو مجدد اعظم نے صرف اتنا فرمایا کہ ''حکمت کے پیشے میں صبح اٹھتے ہی قارورہ پر نظر پڑتی ہے'' پھر کیا تھا، دل کی دنیا زیروزبر ہوگئی، شعور و آگہی بیدار ہوگئی کہ واقعی صبح اٹھتے ہی آنکھوں کو سب سے پہلے ایک ناپاک چیز کی رویت سے آلودہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں اور فوراً پیشۂ حکمت اور مرض و مریض کا مطب چھوڑ کر تقویٰ و طہارت کے مطب میں چلے آئے اور اس مطب کے ساتھ ایسا جڑے کہ روح کے قفصِ عنصری سے پرواز کے بعد

ہی فرصت ملی۔

اس مجدد اعظم نے ملک العلما قدس سرہ کو بیس سال تک اپنے سایۂ تربیت وتعلیم میں رکھا۔۱۳۲۱ھ سے لیکر ۱۳۲۹ھ تک بریلی شریف میں اپنے سایۂ عاطفت سے نوازتے رہے پھر ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۴۰ھ تک جہاں بھی بھیجا مکتوبات اور دیگر ذرائع سے رابطہ بحال رکھا اور تعلیم وتربیت فرماتے رہے۔ جو وقت کا امام خود سراپا اخلاص ہو اور جسکی نگاہ کیمیا ساز لمحوں میں انقلاب بپا کرنے والی ہو اس نے اپنے محبوب شاگرد اور مسترشد کو اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ وطہارت کے کس سانچے میں ڈھالا ہوگا اور سلوک کے کتنے مراتب طے کرائے ہونگے، اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جب امام اہلسنت کی نوازشات کا یہ عالم ہے کہ کسی کو صدر الافاضل بنایا، کسی کو فقیہ اعظم، کسی کو مبلغ اعظم اور کسی کو برہان الملۃ والدین تو بھلا اس شاگرد خاص اور نور نظر کے بارے میں کیا تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ جس کو وہ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور جسے انہوں نے اپنے مکتوبات میں ”جان پدر بلکہ از جاں بہتر“ ”ولدی وقرۃ عینی“ ”برادر دینی ویقینی“ ”ولدی اعزک اللّٰہ فی الدنیا والدین“ ”ولدی حبیبی۔“ ”ولدی وقرۃ عینی“ جیسے محبت آمیز، فکر انگیز اور بلندی خیز القاب وخطابات سے نوازا۔

ان تمام باتوں کے باوجود وقت کا عجیب المیہ اور افسوس وماتم کا مقام

ہے کہ ایسا عظیم محقق و مصنف جو علم وفن کا ہمالہ تھا، جس نے ستر (۷۰) سے زیادہ محققانہ وفاضلانہ کتابیں لکھ کر وقت کے تقاضوں کو پورا کیا، جس نے کئی ایک دینی مراکز کو پروان چڑھایا، ''ہادی ومہدی'' کا خطاب پاکر ہزاروں گم گشتگان راہ کو رشد وہدایت کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا، علم وفضل کا آفتاب بن کر اکناف عالم میں علوم وفنون کی روشنی پھیلانے کیلیے ماہرین فن شاگردوں کی ایک عالمی فوج تیار کردی، حزم و اتقا کے سانچے میں ڈھلکر تقویٰ و پرہیزگاری کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ اور یادگارِ اعلیٰ حضرت بن کر لاکھوں انسانوں کو اہلسنت و جماعت کی لڑی میں پرویا مگر ابتک اس کی حیات پر کوئی مبسوط کتاب نہیں لکھی جاسکی، نہ اس کی شایان شان اس کا مزار بن سکا اور نہ ہی کما حقہ اس کا عرس منایا جاتا ہے جبکہ آپ کے وصال کو آج ۴۹ رسال ہو چکے ہیں۔

شاید اس لیے کہ وہ بہار کے تھے اور بہار کی زمین بزرگان دین، صوفیہ اور علما کی یاد منانے میں بہت سنگلاخ اور خشک واقع ہوئی ہے۔ اگر اتنی عظیم قدآور شخصیت کسی دوسرے خطۂ ارض میں ہوتی تو تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا اور ابتک ان کے تعلق سے ہزاروں صفحات جگمگا رہے ہوتے۔ یہ ستم ظریفی صرف حضرت ملک العلما کی ذات کے ساتھ خاص نہیں، مخدوم

بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بارہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت محبّ اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بھی ہوئی۔ انہوں نے جو دین کے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس اعتبار سے ان کی حیات طیبہ پر کچھ بھی کام نہ ہوا۔

منعم حقیقی دنیا و آخرت کی سرخروئی عطا فرمائے چشم و چراغِ حضرت مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمۃ والرضوان محبّ گرامی حضرت مولانا ملک الظفر صاحب زید مجدہ کو کہ انہوں نے اپنے مؤقر مجلّہ ''الکوثر'' کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کے قدیم علمائے کرام اور اولیاء عظام کے خدوخال سے دنیا کو روشناس کرایا ہے۔ وہیں حضرت ملک العلما قدس سرہ کے بارے میں بھی انکی غیرت جاگی اور ان کی حیات طیبہ پر نمبر نکالنے کا عزم مصمم کیا۔ وہ نمبر تو نہ نکل سکا لیکن حال ہی میں کچھ آپ کے جمع کردہ اور کچھ دوسرے بہت سے جدید وعمدہ مقالات کے ساتھ پیر طریقت جناب سراج اظہر صاحب بمبئی کی سرپرستی میں مولانا غلام جابر شمس مصباحی اور مولانا محمد احمد رضوی مصباحی کی کوششوں سے ''جہانِ ملک العلما'' کے نام سے ساڑھے بارہ سو صفحات پر مشتمل نمبر منظر عام پر آچکا ہے۔ اس طرح دیر سے ہی سہی مگر اب گھر گھران کے گوشۂ حیات کا پیغام پہنچ جائے گا۔

شعر:

اوراب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

فللّٰہ الحمد علیٰ التوفیق و الصلوٰۃ و السلام علیٰ من ھو لئیق

☆☆☆

اہل سنت و جماعت کی کتابوں اور بریلی
شریف کی انگشتری اور تعویذات کا مرکز

قاری بک سنٹر

مین روڈ دھتکیڈیہہ، جمشید پور (جھارکھنڈ)

لہذا جن حضرات کو ان اشیا کی ضرورت ہو وہ مذکورہ مرکز کے مالک
الحاج قاری ساجد حسین رضوی صاحب سے رابطہ کریں

موبائل نمبر: 9835351025

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله کفیٰ وسلام علیٰ عباده الذین ا صطفی .

حضرت ملک العلما، بحیثیت ایک عظیم مناظر اہلسنت

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلما حضرت سید محمد ظفر الدین قادری رضوی بہاری علیہ رحمۃ الباری کا شمار ہند و پاک کے متبحر عالم دین، ماہر مفسر، ممتاز محدث، نقاد فقیہ، معتمد مفتی، مایہ ناز مصنف، نکتہ سنج مناظر اور قادری برکاتی رضوی مشرب کے یکتائے روزگار ولی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ملک العلما ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ بمطابق ۲۳ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کی عین صبح صادق کے وقت اس خاکدانِ گیتی پر جلوہ بار ہوئے اور ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ۔ بمطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کی شب ذکر جہر "اَللّٰـهُ اَللّٰهُ" کرتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر کے ہم سے رخصت ہو گئے۔ اور فرمانِ رب العلیٰ "اِنَّ الَّـذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ، الایہ" اور فرمانِ رسول "مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ دَخَلَ

لے مذکورہ تاریخ حضرت ملک العلما قدس سرہ کی کتاب "یادداشت" کے مطابق ہے۔ ورنہ مشہور تاریخ پیدائش ۱۰ر محرم الحرام ۱۳۰۳ھ۔ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۸۸۵ء ہے۔ کچھ کتابوں میں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸۸۰ء درج ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ ۱۸۸۵ء ہے۔

الْجَنَّۃَ‘‘ کے بموجب رحمت وغفران اور جنت نعیم کے حق دار ہوئے۔

علم وعمل کے اس بے تاج بادشاہ کے بارے میں آیَۃٌ مِّنْ آیَاتِ اللّٰہِ، مُعْجِزَۃٌ مِنْ مُعْجِزَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، نائبِ غوث الوریٰ، قطبِ عالم، سیدنا امام احمد رضا نے اپنے ایک خلیفہ تاج الدین احمد ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور کے نام ۱۳۲۸ھ کے ایک خط میں فرمایا تھا،

’’سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں‘‘۔

اس تحریر میں حضرت ملک العلماء قدس سرہٗ کی عبقری شخصیت کے متنوع، ہمہ جہت اور جامع الصفات ہونے کا ایک محتاط محدث و محقق نے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جو کچھ کہا گیا ہے وہ بلاشبہ حق وصواب ہے۔ لیکن سر دست ان صفات میں سے صرف ایک صفت جلیلہ مناظرہ کی جہت سے اس سگِ بارگاہِ قادریت کو گفتگو کرنی ہے۔

حضرت ملک العلما ان سادات کرام میں شمار کئے جاتے ہیں جنہیں ملک خانوادے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جن کا سلسلۂ نسب کئی پشتوں کے بعد محبوب سبحانی، قطب ربانی حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت ملک العلما کو ربِّ ذوالمنن

کی طرف سے ان کے جدِ اعلیٰ غوثیت مآب قدس سرہٗ کے فیوض و برکات سے حظِّ وافر ملا پھر ان کے طفیل سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی صحبت کیمیا اثر کے فیضان سے ایسا مالا مال ہوئے کہ علوم وفنون اور جامعِ صفات ہونے میں نابغۂ روزگار ہو گئے۔ قادری برکاتی رضوی فیضان سے ایسے سرشار ہوئے کہ بیسیوں مناظروں کا سامنا کیا مگر کبھی ہمت نہ ہاری اور دشمنوں کو شکست فاش دے کر انہیں ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ وہ گونا گوں صفات سے مزین تھے مگر میدانِ مناظرہ میں انفرادی شان کے مالک تھے۔ ان کے علم وعمل، طہارت وتقویٰ اور گونا گوں خوبیوں سے حد درجہ متاثر ہو کر آج سے تقریباً آٹھ دس سال پہلے راقم نے ایک مضمون لکھا تھا لیکن بر وقت سطحِ ذہن پر نہیں کہ کس رسالہ میں مطبوع ہوا۔ آج مجھے بے حد مسرت وشادمانی ہو رہی ہے کہ برسوں کا جمود ٹوٹا، علمائے کرام بیدار ہوئے اور ان کی شخصیت پر کام کرنے کیلئے خم ٹھونک کر تیار ہو گئے ہیں تو سگِ بارگاہِ نوری بھی خادمِ سادات وعلما کی حیثیت سے ایک تازہ مقالہ لے کر حاضر ہے۔

مذکورہ مکتوب میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئی نمایاں کمالات کے ساتھ ساتھ مناظر ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مناظر وہی ہو سکتا ہے جو کئی علوم وفنون پر مہارت وملکہ اور دسترس رکھتا ہو، کیونکہ معلوم نہیں

مدمقابل کس علم سے متعلق سوال کھڑا کردے۔ پھر یہ کہ خصم کی کتابیں نظر کے سامنے مستحضر ہوں، طبّاع، حاضر دماغ اور حاضر جواب ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اکابر کے طفیل کم عمر ہی میں انہیں فنِ مناظرہ کی صلاحیت کا حامل اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کا ہمالہ بنا دیا تھا۔یہی وجہ کہ تاریخ کے جھروکے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اپنی بیس سال کی کم عمری میں یعنی اپنے دور طالب علمی ہی سے بدمذہبوں کے بڑے سے بڑے اکابر سے مناظرہ کرنے لگے تھے۔جبکہ اس عمر میں مناظر ہونا تو دور کی بات ہے، عام طور پر آدمی بارعب، ہمت وراور ذی صلاحیت عالم نہیں بن پاتا مگر آپ زندگی کی دوسری دہائی میں مناظرہ کررہے ہیں، عام مولوی سے نہیں بلکہ دیو بندیوں کے مانے ہوئے گرو، ان کے بڑے مولانا، بڑے متجدد اشرفعلی تھانوی سے۔خط وکتابت سے نہیں، غائبانہ نہیں، دوبدو، روبرو، اور ایسا کہ اس کا ناطقہ بند کردیتے اور یہ عذر کرنے پر مجبور کردیتے ہیں کہ ”میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی الخ“

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت والا اس کامیابی کو اپنی کامیابی نہیں سمجھتے، دین کی کامیابی تصور کرتے۔رودادِ مناظرہ کا کتنا اچھوتا نام رکھتے ہیں ”ظفر الدین الجید“یعنی دین اسلام کی اچھی کامیابی۔ اور دوسرے

رسالے کا ''ظفر الدین الطیب'' یعنی دین کی بہترین کامیابی ۔حق ہے جو دین کی کامیابی اور سر بلندی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سرخرو، کامیاب اور سر بلند کر دیتا ہے ۔مولانا ظفر الدین کو ہر موڑ پر فلاح وظفر کیوں نہ ملے، ان کے شیخ ومربّی اعلیٰ حضرت نے ان کے حق میں خاص طور سے اپنے مولیٰ کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ کیا ہے ۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

پھر دیگر اصحاب واحباب میں انہیں شامل فرما کر آخر میں بارگاہ محبوبیت میں یوں عرض کناں ہیں ۔

ان پہ کرم رکھ، سر پہ قدم رکھ　　　تیرے ہی کہلاتے یہ ہیں
تیرے ہی گدا ہیں، تجھ پہ فدا ہیں　　　تیرا ہی کھاتے، گاتے یہ ہیں

(الاستمداد، از اعلیٰ حضرت)

شفیق استاذ اور شیخ کامل کی شاگرد نوازی اور اس سے سرشار شاگردوں کے مقابل وہابیوں، دیوبندیوں کی گھبراہٹ کا اندازہ لگانے کیلئے یہ شعر بھی ملحوظ خاطر رہے ۔

بلکہ رضا کے شاگردوں کا　　　نام لیے گھبراتے یہ ہیں

ہاں ابھی تین سال بھی نہ گزرے، ابھی عمر کی تیسویں بہار میں داخل

ہیں۔۱۳۲۶ھ کا سال ہے۔میوات نواح فیروز پور، جھرکا میں وہابیوں نے شور وغوغا کا طوفان مچا رکھا ہے۔سنیوں سے مناظرہ کریں گے، مباحثہ کریں گے، شکستیں دیں گے پھر انہیں زمین پر رہنے نہ دیں گے۔میوات میں اپنی فیض بخشیوں کا ابرنیساں برسانے والے مولانا صوفی رکن الدین الوری اور مولانا احمد حسین خاں رامپوری کے استدعا پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت آپکو میوات جانے کا حکم دیتے ہیں۔وہابیہ کی ٹولی جمع ہے۔ایک وہ بھی ہے جو مکہ مکرمہ میں کئی سال رہ چکا ہے، اپنی عربی دانی پر نازاں وفرحاں ہے۔زبانِ عربی میں مناظرہ کرنا چاہتا ہے۔حضرت ملک العلما بھی اس سے عربی زبان ہی میں مناظرہ کرتے ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں آپ نے اس کے سر سے عربی دانی کا بھوت اتار دیا۔وہابیوں کو پانی پانی کر دیا۔مکی وہابی ہو کہ ہندی، سب کے منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔آپ نے چند سوالات ہی رکھے کہ سناٹا چھا گیا نہیں نہیں، ہمیشہ کے لئے گونگے بن گئے، سب میدان ہار گئے، ہمیشہ کے لیے راہِ فرار اختیار کر گئے، حضرت ملک العلما میدان سر کر کے بریلی شریف واپس آئے، اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خوشنودی حاصل کرنے کے بعد اپنے مرشد واستاذ، امامِ عشق ومحبت اعلیٰ حضرت کو پیغامِ فتح سنا کر شاداں وفرحاں کیا، روداد مناظرہ تیار کی،

امامِ عشق نے اس کا تاریخی نام ''یکے نجدیہ کا چپ مناظرہ'' رکھنا پسند فرمایا۔ اور استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''شکستِ سفاہت'' رکھا۔ (دیکھیے حیات اعلیٰ حضرت نسخۂ قدیمہ ج ا،ص ۵۵۔۵۶)

ابھی ملک العلما تیسری دہائی سے گزر رہے ہیں۔ ۱۳۳۴ھ کا سال آیا۔ کلکتہ کا ایک بدعقیدہ بڑا مولوی، سنی حنفی مسلمانوں کو چیلنج کر رہا ہے۔ میں تمہارے علما سے مناظرہ کروں گا۔ سنیوں کے قلوب کی دھڑکن، محسنِ ملت جنابِ حاجی مولانا لعل محمد خاں مدراسی مرحوم، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بارگاہ عالی میں حضرت ملک العلما کی بابت خط یا تار بھیجتے ہیں، اعلیٰ حضرت حکم فرماتے ہیں، موصوف کلکتہ پہنچ جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے دہاڑتے ہوئے شیر کی بدعقیدہ مولوی تاب نہیں لاتا اور روپوش ہو جاتا ہے۔ پھر کیا تھا، سنیوں کا بول بالا اور دشمنوں کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔ چند دن انتظار کرتے ہیں پھر اس کی روداد وسرگذشت ''گنجینۂ مناظرہ کلکتہ ۱۳۳۴ھ'' کے نام سے ترتیب دیتے ہیں۔ (مقدمہ صحیح البہاری از پروفیسر مختار الدین آرزو، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف۔ (بابت دسمبر ۲۰۰۸ء مضمون مولانا غلام جابر شمس مصباحی)

یہ تو آپکے مناظروں کی چند جھلکیاں ہیں ورنہ اتنی کثیر تعداد میں مناظرے کیے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بلاشبہ علوم کے بحر ذخار تھے، بے باک مناظر اہلسنت تھے، پختہ کار، مشّاق مناظر، مناظرہ ان کا خاص

میدان تھا۔ اس لیے انھوں نے صرف غیر مقلد وہابیوں اور مقلد وہابیوں (اہل دیو بند) سے مناظرہ نہ کیا بلکہ آریہ سماج سے بھی اور عیسائی مبلغین سے بھی اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے بطریق احسن مناظرہ کیا، طویل مسافتیں طے کیں اور میدان جیت کر ہی لوٹے۔

اگر ذہن پر بار نہ ہو تو اس حوالے سے حیات ملک العلما کے دو محققین کے اقتباسات کو زیبِ نظر کرتے چلیں۔ پروفیسر مختار الدین احمد رقمطراز ہیں،

''مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ آریہ سماج اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لیے جلسوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین سے مناظرے کے لیے بھی وہ دور دراز کے علاقے سے بھی مدعو کیے جاتے تھے۔ ایک مناظرہ کے لیے وہ برما بھی تشریف لے گئے' (مقدمہ، صحیح البہاری ص ۱۰)

اور مولانا غلام جابر شمس صاحب یوں رقمطراز ہیں،

''مناظرے کے لیے وہ میوات جائیں، کلکتہ جائیں، برما جائیں، رامپور جائیں، مدراس جائیں، بنارس جائیں، کہاں کہاں جائیں، آریہ سماج سے مناظرہ کریں، کیا کیا کریں؟ روودادِ سفر لکھیں یا سرگذشتِ مناظرہ لکھیں'' (ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف بابت دسمبر ۲۰۰۸ء ص ۲۱)

نیز علامہ ملک العلما کے شاگرد رشید حضرت مولانا شہاب الدین اشرفی کٹیہار کی ذیل کی عبارت سے بھی ہمارے مدعا پر روشنی پڑتی ہے، آپ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں،

''کبھی کبھی اپنے مناظرے کی روداد سناتے۔آریہ سماجوں مسیحی مبلغین اور غیر مقلدین سے آپ بہت کامیاب مناظرے کیے۔اس کی روداد ہم لوگوں کو کبھی کبھی سناتے۔(قلمی نسخہ۔مضمون ملک العلما کے زندگی کے چند گوشے ص۳)

ان شواہد سے یہ بات منقح ہوکر سامنے آئی کہ ''مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں'' اوائل سے متعلق تھا جس پر مجدد اعظم قدس سرہ کے مکتوب میں درج تاریخ (۱۳۲۸ھ) شاہد عدل ہے، اس وقت حضرت ملک العلما کی عمر صرف پچیس سال تھی۔بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ آپ ایک عظیم کہنہ مشق مناظرِ اہلسنت تھے۔

حاصل یہ کہ حضرت ملک العلما نہ صرف منقولات بلکہ معقولات پر بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے، بلکہ اپنے استاذ ومرشد کے فیضان سے مالامال ہوکر بیسیوں علوم وفنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے،علمِ توقیت وہیئت، فقہ وافتا، تفسیر وحدیث اور منطق وفلسفہ پر کافی عبور ودسترس انہیں حاصل تھی اور علمِ

کلام وفنِ مناظرہ میں اپنے اقران پر بھاری تھے۔ان علوم میں آپ کی مہارت تامہ پر اگر دوسرے قلمکاروں کی تحقیقات سامنے نہ بھی آتیں تو صرف آپ کی تصنیفات ہی شاہد عدل ہیں جوستر (۷۰) سے زائد کی تعداد میں ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ حضرت ملک العلما اور آپ کے معاصرین کوقطبِ عالم مجد دِ اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جن القاب سے یادفرمایا، یا توجہِ خاص سے نوازا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے خوب خوب ظاہر کر دکھایا، کہ بلا شبہ آپ آیۃ من آیات اللہ، معجزۂ رسول اور کرامتِ غوث اعظم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے، جوکہا، جس کے بارے میں کہا، حضرتِ رب العزت نے آپ کی آبرو رکھی بلکہ اس سے سوانوازا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کسی کوصدر الافاضل کے خطاب سے نوازا تو وہ بلا شبہ فضلائے عصر وکملائے زمانہ پر فائق رہے بلکہ علمائے افاضل پر انہیں برتری حاصل رہی۔ کسی کو غیر منقسم ہندوستان کے دار القضا کا مفتی بنایا تو واقعی پورے ہندو پاک میں مفتی اعظم بن کر افق افتا پر چمکتے دمکتے رہے۔ کسی کو ہندوستان کا قاضی اسلام بنایا تو وہ فقیہ اعظم اور صدر الشریعہ یعنی

علمائے شریعت کے سردار شمار کیے جاتے رہے۔ اسی طرح کوئی عید الاسلام ہے تو کوئی برہان الملۃ والدین، کوئی حجۃ الاسلام ہے تو کوئی مبلغ اسلام اور ابھی ہم جس ممدوح گرامی کی بات کرر ہے ہیں انہیں تو بارگاہ مجدد اعظم سے ملک العلما (علما کا بادشاہ) کا خطاب ملا تھا تو واقعی وہ اپنے دور میں بہت سے علمائے کرام کے بادشاہ کی حیثیت سے دلوں پر بادشاہت کرتے رہے اور ہر محاذ پر علم وعمل، صلاح وتقویٰ، تحریک وتنظیم اور تصنیف وتالیف کی شعاعیں بکھیرتے رہے۔ ادھر سے ضیا پاشیاں ہوتی رہیں اور ادھر دل جگمگاتے رہے۔ مگر ہائے افسوس! ہمارے اکابر ہم کو تنہا چھوڑ گئے، حضرت صدرالافاضل چلے گئے، حضرت ملک العلما چلے گئے، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت چلے گئے، حضور محدث اعظم چلے گئے وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ اساطین اِمت وسرخیلِ جماعت اہلسنت تھے جو اپنی تصنیفات اور مناظروں کے ذریعہ اپنی آخری سانس تک احقاق حق وابطال باطل کرتے رہے، نام کے اہل حدیث کام کے اہل خبیث کے پرخچے اڑاتے رہے، دیو کے بندے کی قلعی کھولتے، آریہ سماج اور دیگر غیر مسلموں کے چہرے کا پانی اتارتے اور عیسائیوں کو ان کے گھر پہنچا کر دم لیتے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے دینی مناصب کو ملحوظ رکھ کر عملی تحریک بروئے کار نہیں لاتے اور احساس ذمہ داری

کے ساتھ میدان میں اتر کران بدطینتوں کا حلیہ نہیں بگاڑتے تو نظام اہلسنت آج اپنے تشخص کے ساتھ ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ بعید نہ تھا کہ ہم اور ہمارے بچے بھی جہنم کے دہانے پر ہوتے مگر ساری حمدیں اس پاک پروردگار کے لیے جس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مقدس اولیائے کرام کے طفیل اپنے ان نفوس قدسیہ کو اس خاکدان گیتی پر جلوہ گر فرمایا، ان سے اسلام وسنیت کے تحفظ وبقا کا کام لیا اور ہمارے دین وایمان کی حفاظت کی۔

حضرت ملک العلما ''ظفرالدین الجید'' کے آئینے میں

آپ کا یہ رسالہ فن مناظرہ میں ہے، جس میں اشرفعلی تھانوی سے برسر پیکار ہونے کی روداد درج ہے۔ اس لیے مناظرہ کے تعلق سے کچھ وضاحت ضروری ہے۔

حق کو واضح کرنے اور باطل کا پردہ فاش کرنے کے حوالے سے مناظرہ بہترین فن شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمرود کے ساتھ مقابلے کا واقعہ قرآن مقدس میں صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ بلاشبہ باطل فرقوں سے مناظرہ کرنا مسلمانوں کی سنت متوارثہ ہے، جو زمانۂ قدیم سے

تو ارثاً چلا آ رہا ہے۔ اسی لیے ہر دور میں علمائے ذوی الاحترام نے اس فن میں طبع آزمائی کی اور کتابیں مدون کی ہیں۔

خصوصاً حضرت میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ نے رسالۂ شریفیہ لکھا اور قطب وقت حضرت علامہ محمد رشید عرف دیوان جی جونپوری قدس سرہ نے مناظرہ رشیدیہ کے نام سے اس کی شرح فرمائی ہے۔

مناظرہ کی تعریف: رسالہ شریفیہ میں مناظرہ کی یہ تعریف کی گئی ہے، ''تَوَجُّهُ الْمُتَخَاصِمَيْنِ فِي النِّسْبَةِ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ اِظْهَارًا لِلصَّوَابِ'' (یعنی دو خصم کا دوشئی کی نسبت میں توجہ کرنا اظہارِ صواب کے لیے)

اور اسکی غرض وغایت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ذہن کو ضلالت وگمراہی سے بچایا جائے اور درستگی کا اظہار کیا جائے۔ آنے والے صفحات میں ظاہر کیا جائے گا کہ شاگرد وخلیفۂ اعلیٰ حضرت سیدنا ملک العلما قدس سرھما نیک ارادہ، دینی خیر خواہی اور حق کو اجاگر کرنے اور دینی امور کے تصفیہ کے لیے ہی اشرفعلی تھانوی کے پاس پہنچے تھے۔ چنانچہ اپنے رسالہ ''ظفر الدین الجید'' میں بار بار اس کی صراحت کرتے ہیں۔ رنگ مناظرہ لیے ہوئے مبنی بر حقائق اور نا قابل انکار بیس سوالات پر مشتمل جو مذکورہ رسالہ سے موسوم سوال نامہ

لے کر اشرفعلی وغیرہ کے پاس پہنچے۔اس کے آغاز ہی میں ایک آیت کریمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں،

”یہ آیت کریمہ یاد دلا کر آپ حضرات سے چند سوالاتِ ضروری دینی، محض بنظر خیر خواہیِ دین گذارش ہیں، امید کہ صاف صاف جواب بے پردۂ حجاب بیان فرمائیں۔اگر کسی جواب میں کوئی اجمال یا اہمال رہ جائیگا، دوبارہ صاف کرلیا جائے گا۔مقصود محض تصفیۂ امور دین ہے“ (رسالہ ظفرالدین الجید ص ۵)

اشرفعلی تھانوی کی اضطرابی کیفیت: شہر بریلی کے دیوبندیوں نے بڑے طنطنہ وطمطراق سے اشرفعلی تھانوی کو بلایا تھا کہ اہلسنت وجماعت کے شیروں سے مناظرہ کرے لیکن وہ شیر اہلسنت بادشاہِ علما کے سامنے بھیگی بلّی بن گیا بلکہ یوں کہیے کہ اسے سانپ نے سونگھ لیا۔سوال نامہ پیش کیا گیا اسے لاجواب کرنے یا اس سے مباحثہ کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ اظہارِ علم واجب اور کتمانِ علم حرام وگناہ ہے،لہٰذا ان مسائل کے جوابات دیئے جائیں مگر اشرفعلی کی کم علمی وبے بضاعتی کہیے یا شیر اعلیٰ حضرت کو دیکھ کر اس کا مرعوب ہونا، وہ ایسا گھبرا گیا کہ ان سوالات کا جواب دینے کی بجائے معافی مانگنے لگا۔بار بار یہی رٹ لگائے جارہا ہے۔”معاف کیجیے، معاف

کیجیے''۔ یہی نہیں اس کے حد درجہ اضطراب و بے چینی کا پتہ اس سے لگائیے کہ اس کا آخری جملہ یہ تھا،

''آپ جیتے، میں ہارا''

اشرفعلی کے حال زار کو معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پیراگراف کو پڑھتے چلیں۔ حضرت ملک العلمار قمطراز ہیں،

''مگر ہزار افسوس کہ مولوی صاحب موصوف (اشرفعلی) ان سوالات کا سرنامہ دیکھتے ہی سخت مضطرب ہوگئے اور بہت منت وسماجت سے انہیں واپس کردیا۔ ہر چند گذارش کی گئی کہ یہ کوئی مباحثہ نہیں ہے، چند مسائل کا جواب مطلوب ہے۔ مگر مولوی صاحب بات زبان سے نکلنے نہ دیتے تھے ''برابر معاف کیجئے، معاف کیجئے'' فرماتے تھے۔ ہوا خواہوں کی اڑائی خبر ''مباحثہ، مباحثہ'' مولوی صاحب (اشرفعلی) کے کانوں تک پہنچی ہوئی تھی اور وہی تصویر آنکھوں کے سامنے تھی۔ حتیٰ کہ مجبوراً اس لفظ پر ختم فرمایا کہ ''آپ جیتے، میں ہارا''۔

قارئین کو اس اقتباس سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اشرفعلی کے حواس باختہ اور نروس ہونے کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو حضرت ملک العلما کی طرف سے کیے گئے سوالات کا کوئی جواب نہ بن پڑا، عاجز و درماندہ ہوگیا۔

یااس کے معتقدین کی اڑائی ہوئی خبر ''ہم اپنے بڑے مولانا اشرفعلی صاحب کو بلا رہے ہیں، جو سنیوں سے مناظرہ ومباحثہ کریں گے'' بریلی شریف پہنچنے کے بعد اس کے کانوں سے ٹکراتی رہی اور وہ حد سے زیادہ مرعوب ہو گیا۔

رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے،'' وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ '' (اور یاد کرو کہ جب اللہ نے کتابیوں سے وعدہ لیا کہ تم اسے لوگوں سے صاف بیان کر دینا اور اسے چھپانا نہیں)

راقم السطور فقیر قادری مسلمانوں کی عدالت میں بہ ادب واحترام یہ مسئلہ پیش کرتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق اگر اشرفعلی اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام قرآن مقدس پر ایمان رکھنے والا اور اس کا جانکار تھا تو اس پر ضرور فرض تھا کہ ان سوالات کا جواب دیتا لیکن اس نے نہیں دیا تو کیا اس نے قرآن مقدس کے خلاف کتمانِ علم کر کے یہود ونصاریٰ کا طریقہ اختیار نہ کیا اور کیا اس کے سبب گناہ عظیم کا مرتکب نہ ہوا۔ ہر مسلمان کہے گا کہ ضرور ہوا، بلاشبہ ہوا۔ اس بابت مسلمانوں کی عدالت سے دوٹوک فیصلہ سننے کی امید فقیر قادری رکھتا ہے اور رکھے گا۔ ورنہ اس کے معتقدین کو کھلے لفظوں میں یہ

اعلان کرنا چاہیے کہ ہمارے حضرت قرآن کی اس آیت پر عمل کرنے والے نہ تھے یا یہ کہ ان کو یہ آیت کریمہ معلوم نہ تھی۔

پیشِ منظر: ۱۳۲۳ھ میں ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین رضوی فاضلِ بہار نے مذکورہ مناظرہ اشرفعلی سے کیا تھا جیسا کہ اس کی روداد مسمّیٰ بہ ''ظفر الدین الجید'' کے تاریخی نام سے ظاہر ہے۔

ہوا یہ تھا کہ اسی سال بارہ ربیع النور شریف میں وجہِ تخلیقِ کائنات، محبوبِ رب العالمین، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد شریف کا جلسہ شہر بریلی میں منعقد تھا۔ چونکہ وہابی دیوبندی ایک فتنہ پرور جماعت ہے، اس لیے اس کا آغاز ہی سے یہ شیوہ رہا ہے کہ فتنہ پھیلاؤ، امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرو اور حکومت کرو، اس لیے اس فرقہ والوں نے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عین مجلس مبارک میں، جس میں پانچ سو سے زائد مسلمان جمع تھے، اپنے ایک مولوی کو علم غیبِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوپر اعتراض کرنے کے لیے کھڑا کر دیا، اہلسنت و جماعت کے بطلِ جلیل نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ایسا زوردار، تشفی بخش اور مسکِت جواب دیا کہ وہ مولوی مطمئن ہو گیا اور اس نے برملا تسلیم کیا۔ اور صرف یہ نہیں کہ دل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو مانا بلکہ

زبان سے بھی کہا، ''ٹھیک ہے''

اہلسنت کے زورِ استدلال اور اس مولوی کے اعتراف کر لینے کے بعد اہل مجلس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مسرت وشادمانی کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوکر اس معترف مولوی کی انصاف پسندی اور قبولِ حق کی تعریف و تحسین کی، لیکن اس کے گرؤوں کو یہ کیسے گوارا ہوتا، اس کے ایک سردار نے کہا،

''ان کی زبان بند ہوگئی''

اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مولوی صاحب آپ کی بات تسلیم کر کے نہیں اٹھے بلکہ ہیبتِ حق سے ان کی زبان بند ہوگئی۔ حاضرینِ مجلس نے فوراً لقمہ دیا کہ حضرت! ''وہ ٹھیک ہے'' کہہ کر اٹھے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ ان کی زبان بند ہوگئی، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ پھر بار بار اس افسر سے فرمایا گیا کہ آپ کو شک ہو تو آپ سمجھ لیجیے۔ اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ آخر وہ روسیاہ مع اپنے ہمراہیوں کے ناکامی کا داغ لے کر چلا گیا۔ اسی روز سے شہر کے تمام وہابیہ کو فکر رہی کہ کسی طرح اس عار وشکست کو دفع کریں۔ وہاں دو مدرسے تھے، دونوں ایک دوسرے سے سخت مخالفت رکھتے تھے، اہلسنت کے مقابل وہ ''ملۃٌ واحدۃٌ'' ہوگئے۔ اس کی وجہ اس کے سوا

کچھ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''الکفر ملۃٌ واحدۃٌ'' (کفر سارا کا سارا ایک ہی ملت ہے)، اہلسنت کی متعدد وعظ کی مجلسوں میں ان دونوں مدرسے کے طلبہ و مدرسین غول باندھ باندھ کر بڑے بڑے ارادے لے کر پہنچتے تا کہ غلط سلط سوالات کر کے یا لڑائی کرا کے انتشار برپا کریں، مگر الحمد للہ! کبھی ہمت و جرأت نہ ہوئی۔ اور اگر کبھی کچھ کہتا بھی تو منہ کی کھانی پڑتی۔ بالآخر انہیں یہ سوجھی کہ اپنے اکابر کو بلائیں اور جس طرح ممکن ہو اہلسنت کو نقصان پہنچائیں۔ مہینوں سے خبریں اڑاتے تھے کہ فلاں فلاں صاحب بلائے جائیں گے، مباحثہ ہوگا، ہنگامہ کریں گے، یہاں تک کہ پورے آٹھ ماہ کے بعد ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ میں پیر کے دن وقتِ عصر کے قریب خبر آئی کہ مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی آ گئے اور رات کی گاڑی میں مولوی محمود حسن دیوبندی اور مولوی احمد حسن امروہوی بھی آنے والے ہیں۔ بلفظ دیگر یوں کہیے، دیابنہ یہ نعرہ لگانے لگے۔ یا مولانا اشرفعلی المدد، یا مولانا خلیل احمد المدد، یا محمود حسن المدد۔

اس خبر کے پھیلنے کے بعد اہل حق کیونکر خاموش رہ سکتے تھے، لہٰذا باوجودیکہ حضرت ملک العلما قدس سرہ کی کم سنی اور طالب علمی کا زمانہ تھا، وہابیوں کے مذکورہ اکابر سے زیر بحث مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے

میدان میں کود پڑے۔

آپ خود اپنے قلم سے لکھتے ہیں،

''بعد عشا ہم طلبہ کو اپنے سبق وغیرہ سے فارغ ہو کر خیال آیا کہ ان چاروں حضرات سے مسائل دائرہ کی نسبت بعض شرعی ضروری سوالات کریں کہ علما کا جواب عالمانہ ہوتا ہے، ممکن ہے، کہ ان کے منصفانہ جواب ہی سے جہالاتِ وہابیۂ شہر کا علاج ہو جائے اور جب خود اپنے ہی علما کا جن کو اپنی مدد کے لیے بلایا ہے، جواب دیکھیں تو ان وہابیہ کا فتنہ بآسانی ازالہ پائے۔ اس توقع پر شب ہی کو یہ سوالات لکھ کر صبح کو معززینِ شہر کے ہمراہ مولوی اشرفعلی کے فرودگاہ پر حاضر ہوئے''۔ ملخصاً (ظفر الدین الجید قلمی نسخہ)

دیوبندیوں کا فاش جھوٹ: یاد رہے کہ دیوبندیوں نے یہ اڑائی تھی کہ مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی آ گئے اور بقیہ مولویوں کے بارے میں یہ کہ آنے والے ہیں۔ مگر ہوا یہ کہ صرف اشرفعلی پہنچا اور باقی سب غائب ہو رہے۔ بے یار و مددگار اشرفعلی کو اس کے اعوان و انصار نے منجدھار میں چھوڑ دیا۔ یہیں سے یہ بات بھی ذہن نشیں کرتے چلیں کہ خلیل احمد پہنچا نہ تھا مگر دیو کے بندوں نے اعلان کیا کہ وہ آ گئے ہیں، تو کیا یہ سراسر جھوٹ نہیں تھا، اس لیے ہمدردِ قوم، قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ دیوبندیوں کی ہر بات کا جواب ہمارے پاس ہے۔لیکن ان کی صرف ایک بات کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔وہ ہے ان لوگوں کا جھوٹ۔ان کے جھوٹ کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہابیوں نے اپنے باقی صاحبوں کے آنے کی بے پر کی خبر کیوں اڑائی تھی اور کیوں کذب ودروغ اور دجل وفریب سے کام لیا۔اس کا فیصلہ تو انکی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے سامنے عیاں ہو ہی جاتا ہے اور میدان محشر میں بھی سب کے سامنے ظاہر و باہر ہو جائے گا۔

اشرفعلی سے بیس سوالات

اب ہم قارئین کے ذہن کو ان بیس سوالات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، جو حضرت ملک العلما ظفر الدین رضوی بہاری اور ان کے رفقا نے کیے تھے، لیکن اس سے قبل یہ واضح کرتے چلیں کہ دیوبندیوں کے یہاں ''براہین قاطعہ'' نامی کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتاب دیوبندیوں کے امام رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کی ہے، گنگوہی کے حکم سے انبیٹھوی نے اسے ترتیب دیا اور گنگوہی نے اس پر تقریظ لکھی اور اس کی توثیق کی ہے۔اس کتاب میں اللہ تعالیٰ وتقدس کی شان اقدس میں

توہین وگستاخی کے کلمات لکھے ہیں، جنہیں دیکھنے کے بعد کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

لکھا ہے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے (معاذ اللہ) جبکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کا عقیدہ و ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کذب (جھوٹ) سے پاک ومنزہ ہے، کیونکہ جھوٹ عیب ہے اور پاک رب العزت ہر عیب سے پاک ہے۔ لہٰذا کذب وجھوٹ سے پاک ہے۔ اس کے ننانوے اسمائے حسنیٰ میں سے یہ دونام بھی ہیں ''سبوح وقدوس'' جنکے معنیٰ ہیں ''پاک ومقدس''۔ یہ محقق و مسلم ہے کہ کذب نقص اور قبیح لعینہ ہے اور باری تعالیٰ، ہر نقص وقبح سے پاک ومنزہ ہے، لہٰذا جھوٹ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، ممکن نہیں۔

مسلمان کا بچہ بچہ جانتا ہے اور ابتدائی کتاب ''اردو کا قاعدہ'' میں یہ پڑھتا ہے۔

''اللہ پاک اور بے عیب ہے''۔

رشید احمد اور خلیل احمد نے امکانِ کذب (اللہ تعالیٰ کے جھوٹ بولنے کے ممکن ہونے) پر مسئلۂ خلفِ وعید سے استدلال کیا ہے، جبکہ خلفِ وعید کو علمائے محققین علیہم الرحمہ نے تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا انکار کیا ہے۔ اور جنہوں نے خلفِ وعید کو کسی مقام پر جائز کہا انہوں نے اسی مقام پر یہ بھی لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جھوٹ باتفاق علما محال و بالاجماع ناممکن

ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ نسخۂ قدیم کی جلد ششم کے رسالہ ''سبحان السبوح''
میں اس کا ذکر شرح مقاصد اور مواقف کے حوالے کے ساتھ مذکور ہے۔

بہر صورت ''براہین قاطعہ'' کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امکانِ
کذب جائز ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے اور جو کہے کہ خدائے
تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے وہ درست کہہ رہا ہے، اس پر طعن و تشنیع کرنا
لاعلمی و جہالت ہے۔ (معاذ اللہ)

ان دونوں کے قول کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ
کو جھوٹ جیسے عیب سے متصف ماننا چاہتے اور باور کرانا چاہتے ہیں کہ کوئی
ان کے خلاف نہ کرے، ان پر طعن و تشنیع نہ کرے، کوئی ان کو لگام نہ لگائے،
یہ جس طرح چاہیں اللہ پاک کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتے رہیں،
کوئی روک نہیں۔ روک لگانے والا جاہل ہے۔

براہین قاطعہ کی اصل عبارت ملاحظہ کیجئے اور خون کا آنسو بہایئے۔
لکھتے ہیں،

''امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں
اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں، پس اس پر طعن کرنا مؤلف
(مولانا عبد السمیع سہارنپوری ثم رامپوری مؤلف انوار ساطعہ) کا مشائخ پر

طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی ہے۔ ملخصاً۔ (براہینِ قاطعہ ص ۶، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

ان دونوں نے محض اپنے پیشوا اسماعیل دہلوی کی تقلید میں ایسا لکھا۔ دہلوی نے اپنے رسالہ ''یک روزہ'' میں امکانِ کذب کی تصریح کی ہے۔ اسماعیل دہلوی وہی شخص ہے جس نے وہابیوں کی ''کتاب التوحید'' کا ترجمہ کر کے ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے چھاپ کر مسلمانوں کے مسلّم عقائد پر نشتر زنی کی اور سرحد کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے گیا تو وہاں کے مسلمانوں نے اسے ذبح کر ڈالا۔ اس طرح وہ ذبیحِ تیغِ خیار ہو گیا۔

گنگوہی نے صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے ایک مہری فتویٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے وقوعِ کذب کا بھی قول کیا۔ یعنی یہ لکھا کہ اللہ صرف جھوٹ بول ہی نہیں سکتا بلکہ جھوٹ بولا بھی ہے۔ اس سے بالفعل جھوٹ صادر ہوا ہے۔ (العیاذ باللہ) گنگوہی اس شخص کو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو جھوٹا مانے خاطی، گمراہ اور کافر نہیں جانتا بلکہ یہ لکھتا ہے کہ اس کو کافر یا بدعتی یا ضال وگمراہ نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کو کوئی سخت کلمہ کہنا چاہیے، حتیٰ کہ مسئلۂ خلف وعید سے غلط طریقے سے استدلال کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا:

''لہٰذا وقوعِ کذب کے معنیٰ درست ہو گئے''۔

ان دونوں عبارتوں میں اللہ عزوجل پر جھوٹ کا عیب لگا کر معلوم نہیں دیوبندیوں نے دین کی کون سی خدمت انجام دی ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہوگا جو اپنے خدا کو جھوٹا کہتا ہو، مگر دیوبندی وہابی نہ صرف اولیا و رسل پر گستاخانہ حملے کرنے کے عادی مجرم ہیں بلکہ پاک پروردگار پر کذب جیسے عیب و نقص کی تہمت لگانے میں بھی نہایت بے باک ہیں۔

ان گستاخوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ میلاد و فاتحہ وغیرہ تمہارے نزدیک بدعت و ناجائز ہیں۔ تمہاری اس دلیل سے کہ حضور کے زمانے میں اس ہیئت کے ساتھ ان کا وجود نہ تھا اور کسی صحابی نے ان کا قول نہ کیا، تو یہ بتاؤ کہ نبی کریم اور صحابہ وغیرہ کے زمانے سے تمہارے زمانے تک کس نے اللہ تعالیٰ کے لیے امکانِ کذب و وقوعِ کذب کا قول کیا۔ صبح قیامت تک کوئی وہابی نہیں دکھا سکتا کہ کسی صحابی، کسی تابعی یا معتمد عالم دین نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ اقدس میں ایسا قول کیا ہو۔ بلا شبہ یہ عقیدے کی بدعت ہے۔ جس کی مثال کسی قرن میں نہیں ملتی۔ اور عقیدے کی بدعت عمل کی بدعت سے زیادہ مفسد و خطرناک ہے پھر ایسی بدعت سیئہ گڑھنے سے ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا سوائے اس کے کہ کفر کے دلدل میں پھنسے اور امت مسلمہ میں تفریق ڈال دی۔

پہلا سوال: رشید احمد اور دیگر دیو بندیوں کے اسی برے عقیدے کی نسبت حضرت ملک العلما اور آپ کے رفقا نے سوال کیا جسے دیکھنے کے بعد اشرفعلی تھانوی مبہوت و لا جواب ہو گیا۔آپ کے سامنے یہ بیس سوالوں میں سے اول سوال یہ ہے۔آپ نے سوال کیا کہ،

''جو شخص باآنکہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتا ہو کہ کذب باری سبحانہ وتعالیٰ ممتنع بالغیر ہے اور اس کے امتناع بالغیر پر اجماع و اتفاق بتاتا ہو بایں ہمہ جو وقوعِ کذب باری مانے، اس کی نسبت کہے کہ، اگر چہ اس نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی، ضال کہنا نہیں چاہئے۔اور کہے۔اس کو کوئی کلمۂ سخت نہیں کہنا چاہیے۔اور اس اختلاف کو حنفی، شافعی سا اختلاف بتائے تو آیا یہ شخص مسلمان ہے یا کافر؟ اگر کافر ہے تو جو شخص اسے مسلمان جانے، وہ مسلمان ہے یا کافر؟؟ (ظفر الدین الجید۔قلمی نسخہ ص ۵)

اس سوال میں حضرت ملک العلما نے جو اشرفعلی اور دیگر دیو کے بندوں پر معارضہ قائم کیا، اس کے ضمن میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں، وہ الفاظ بعینہ رشید احمد گنگوہی کے مہری دستخطی فتویٰ کے ہیں۔اس نے خدائے پاک کو کاذب، جھوٹا اور عیب دار کہنے والے کی تعظیم و توقیر اور تحسین کی کہ دھڑلّے سے لکھدیا کہ:

"اس کو کوئی کلمۂ سخت نہ کہنا چاہیے" جبکہ ایسے شخص کو کافر یا گمراہ ضرور لکھنا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر اشرفعلی اپنا دامن یہ کہہ کر کہ "آپ جیتے میں ہارا" نہ بچایا ہوتا اور جواب دیتا تو اسے اپنے گرو گھنٹال گنگوہی کو کافر ومرتد کہنا پڑتا جیسا کہ اس کے اس قول اور دیگر اقوال پر مکہ ومدینہ زَادَھُمَا اللہُ شَرَفاً وَعَدْلاً کے تینتیس (33) علمائے کرام ومفتیانِ عظام نے اور غیر منقسم ہندوستان کے دوسو ایکسٹھ سے زائد علمائے کرام نے حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں اسے بالاتفاق کافر ومرتد اور خارج از اسلام قرار دیا یا پھر گنگوہی کے اس قول کی تصدیق کرتا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے جھوٹ جیسے عیب کے ساتھ اتصاف کا قول کر کے بری طرح پھنستا یعنی اہلسنت کے کچھار کے شیر ملک العلما کے پنجے سے بچ نہیں سکتا تھا۔

اشرفعلی یہ کہہ کر بھی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا کہ یہ قول یا فتویٰ میرے گرو صاحب کا نہیں ہے، تم سنی لوگ میرے بزرگ پر غلط الزام لگاتے ہو۔ کیونکہ براہینِ قاطعہ عام طور پر دستیاب تھی اور رشید احمد گنگوہی کا باری تعالیٰ کے بارے میں وقوعِ کذب والا فتویٰ اس کے دستخط ومہر کے ساتھ بریلی شریف میں تو ضرور موجود تھا۔

چنانچہ اسی "ظفر الدین الجید" کے ص ۵ کے حاشیہ پر حضرت ملک

العلما رقمطراز ہیں۔

''یہ عبارت مولوی گنگوہی صاحب کے ایک مہری دستخطی فتویٰ کی ہے۔ وہ اصل فتویٰ یہاں موجود ہے''

یہیں سے وہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا جو عوام کی آنکھوں میں دھول جھوکنے کے لیے بعض دیوبندیوں نے کیا ہے کہ اگر رشید احمد گنگوہی نے ایسا فتویٰ دیا تھا تو وہ فتویٰ کہاں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر رشید احمد گنگوہی نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا تو اس کفری عبارت پر ''المعتمد المستند'' مصنفہ اعلیٰ حضرت مطبوعہ ۱۳۲۰ھ میں اس کی عبارت نقل کر کے اس کی گرفت کی گئی اور یہ اور اس کی دیگر عبارت کو لے کر اس پر فتویٔ کفر لگایا گیا تو اس وقت تو رشید احمد زندہ تھا، کیوں نہیں انکار کیا کہ یہ میرا فتویٰ نہیں ہے جبکہ رشید احمد کی وفات ۱۳۲۲ یا ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔ یہی نہیں، یہ تکذیبِ خدا کا ناپاک فتویٰ ۱۳۰۸ھ میں رسالہ ''صیانۃ الناس'' کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہوا۔ پھر ۱۳۱۷ھ میں مطبع تحفۂ حنفیہ عظیم آباد پٹنہ میں اس کا قاہرانہ رد چھپا لیکن کبھی بھی گنگوہی نے اس کا انکار نہ کیا۔ تو پھر برسوں گزرنے کے بعد یہ کیوں لکھا جا رہا ہے کہ وہ فتویٰ کہاں ہے؟ اس کا مطلب عوام کو دھوکا دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

جب اس کا فتویٰ مع رد کے چھپ رہا تھا تو نہ گنگوہی نے انکار کیا نہ اس کے اعوان وانصار نے تو اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس نے فتویٰ لکھا ہے، اس لیے اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ اب بریلی والوں سے فتویٰ مانگنے کی ضرورت ہے۔ کفر جیسے سنگین معاملے پر اتنے برسوں تک چپ سادھے رہنے کا کیا مطلب ہے؟ امام احمد رضا نے اپنی مایہ ناز کتاب ''تمہیدِ ایمان'' کے صفحہ ۴۴ پر اور حضرت ملک العلما نے ''ظفر الدین الجید'' کے حاشیہ میں لکھدیا کہ یہ مہری دستخطی فتویٰ اب تک محفوظ ہے تو ان دونوں سے مانگنے کی جرأت کیوں نہ ہوئی۔

پھر یہ کہ ۱۳۲۴ھ میں علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ بھی ''حسام الحرمین'' کے نام سے منصہ شہود پر آگئے، جن میں ان اکابر دیوبند کو عبارت مذکورہ و دیگر عبارات پر کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔ اور حضرت ملک العلما شاگرد رشید اعلیٰ حضرت اور ان کے رفقاء ۱۳۲۳ھ میں رشید احمد کی مذکورہ عبارت نقل کر کے اشرفعلی کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن وہ بھی انکار نہیں کر رہا ہے۔ اور انکار کرتا بھی کیسے فتویٰ تو بریلی میں موجود تھا فوراً دکھا دیا جاتا تو تھانوی کی درگت بن جاتی تو واضح ہوا کہ سالہا سال تک اس دور میں چپ شاہ بنے رہنا اور انکار نہ کرنا، قابل قبول ہوگا نہ کہ برسوں بعد کا انکار

کرنا، دیو کے بندے آج ضرور اس فتویٰ کا انکار کریں گے۔ اس لیے کہ وہ کافی پھنس چکے ہیں۔ علمائے عرب و عجم نے ان کو گمنامی کی ٹوکری میں ڈال دیا ہے، اسی لیے تو وہ اپنے بزرگوں کی کتابوں سے بہت سی وہ عبارتیں نکال چکے ہیں جن پر گرفت کی گئی تھی۔ ہاں یہی ہوا کہ باپ نے کفر کیا اور بیٹے توبہ کر رہے ہیں، یہ توبہ کس کام کی۔ اگر گنگوہی کا یہ فتویٰ موجود نہ ہوتا تب بھی اس پر فتوائے کفر عائد ہوتا کیونکہ علمی کمال میں اس نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے شیطان کو بڑھا دیا ہے۔ جیسا کہ براہین قاطعہ کی عبارت کسی صفحہ میں آتی ہے۔

دوسرا سوال: پھر چلیے بیس معروضات کی طرف۔ حضرت ملک العلما نے اسی طرح دوسرا سوال یہ کیا ہے، ''جو شخص باوصف اعتقاد مذکور کہ کذب باری تعالیٰ بالاتفاق ممتنع بالغیر ہے، قائلِ وقوعِ کذب کی حمایت میں مسئلۂ خلف وعید پیش کرے اور کہے کہ وقوعِ خلفِ وعید کو جماعت کثیرہ سلف کی قبول کرتی ہے اور واضح ہے کہ خلفِ وعید خاص ہے اور کذب عام کیونکہ کذب بولتے ہیں قولِ خلافِ واقع کو، سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ، گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجودِ جنس کو مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوگا۔ لہذا وقوعِ کذب کا معنیٰ درست ہو گئے۔

آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر اور جو اسے مسلمان جانے وہ مسلمان ہے یا کافر؟''

یہاں بھی خط کشیدہ الفاظ ملحوظ خاطر رہیں۔ یہ گنگوہی کے اسی فتویٰ کی عبارت ہے جس کی بنیاد پر حضرت ملک العلما قدس سرہ نے معارضہ قائم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اشرفعلی اور پورے گروہ دیوبندی کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا تھا، کیونکہ اس کے گرو کی عبارت ہی کو لے کر معارضہ تھا۔ لہٰذا اشرفعلی مبہوت ہوکر رہ گیا اور زندگی بھر اس کے منھ پر تالا لگا رہا۔ اس کے اور دیگر دیابنہ کے پاس کوئی ایسی تاویل نہیں جو قابل سماعت ہو اور صریح قول میں تاویل کیسی؟

یہاں بھی دیکھیے کہ رشید احمد نے یہ فتویٰ لکھا تھا تب ہی تو اشرفعلی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ورنہ سہل تھا کہ کہہ دیتا کہ گنگوہی صاحب نے ایسا نہیں لکھا ہے۔

<u>ملک العلما کا تیسرا سوال:</u> اسی طرح براہین قاطعہ میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی دونوں نے مل کر یہ لکھا ہے کہ شیطان کے لیے علم کی وسعت نصوص قطعیہ (قرآن وحدیث) سے ثابت ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس علم کے لیے کوئی نص ودلیلِ قطعی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ شرک

ہے۔ براہین قاطعہ کی عبارت یہ ہے،

''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علمِ محیط زمین کا فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خلافِ نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعتِ علم کے لیے کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے''۔ (براہین قاطعہ ص ۵۵ مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند)

فرقۂ وہابیہ کی شاخ دیوبندیہ کے مذکورہ قول پر جتنا ماتم کیجیے کم ہے۔ یقیناً آپ کا ایمان وعقیدہ بولے گا کہ جو صفت ایک فرد کے لیے ماننا شرک ہوگی وہ دوسرے کے لیے بھی شرک ہوگی۔ لیکن دیوبندیوں کا کیسا مذہب و مسلک ہے، کیسی توحید ہے کہ وسعتِ علم، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حبیب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ماننا شرک ہے لیکن وہی صفتِ علم اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن شیطانِ لعین کے لیے ماننا عینِ توحید وایمان ہے۔

یہیں سے ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس گروہ کا دوست شیطان لعین ہے، جس کی وسعت علم کا خطبہ پڑھا جارہا ہے اور دشمنی ہے تو صرف اللہ کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جبھی تو صاحبِ لولاک، فخر دو عالم صلی

اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں شیطان کا ذکر کر رہا ہے اور علمی کمال میں شیطان کو بڑھا رہا ہے۔ اور آپ کو اس کمال میں کمتر دکھا رہا ہے۔

حضرت ملک العلما قدس سرہ نے دیوبندیوں کی اس عبارت پر گرفت کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے،

''سوال سوم: جس وصف کا اثبات مخلوق میں کسی ایک فرد کے لیے شرعاً شرک ہو آیا وہ تمام مخلوق میں جس فرد کے لیے ثابت کیا جائے شرک ہی ہو گا یا بعض کے لیے اس کا اثبات شرک اور بعض کے لیے نہیں؟ کیا شرک میں تفصیل ہے کہ بعض مخلوقات اللہ کے شریک ہو سکتی ہیں اور بعض نہیں۔ اور اگر یہ تفصیل باطل ہے اور جس صفت کا اثبات ایک فرد کے لیے شرک ہو ہر فرد میں مطلقاً یہی حکم ہے، تو جو شخص ایک وصف کو ایک فرد کے لیے ثابت ماننا شرک بتائے اور خود اسی صفت کو دوسرے فرد کے لیے ثابت مانے تو آیا وہ خود اپنے منھ سے مشرک ہوا یا نہیں۔''

کیسی زبردست گرفت فرمائی ہے حضرت علامہ ملک العلما نے کہ مخالف کے فرار کی تمام راہوں کو بند کر دیا ہے۔ دیوبندیوں سے مسلمان پوچھیں کہ براہین قاطعہ کی مذکورہ عبارت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین ہوئی یا نہیں، اگر مان لیں تو کہیے کہ اب آپ گنگوہی

کی طرفداری نہ کرو، اس سے کنارہ کشی اختیار کرو، اس کے کافر ہونے میں شک نہ کرو۔ اگر نہ مانیں تو اہلسنت کے کسی شیر کے پاس لے کر پہنچیے۔ انشاء اللہ دو منٹ میں فیصلہ ہو جائیگا۔

اس طرح کے کئی سوالات سے حضرت ملک العلما نے اشرفعلی تھانوی اور دیگر دیو بندیوں کی ایسی گھیرا بندی کی کہ ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ ''معاف کیجیے، معاف کیجیے'' کی رٹ لگانے کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا۔

رشید احمد اور خلیل احمد کی مذکورہ عبارت پر حضرت ملک العلما قدس سرہٗ کی ایک اور گرفت ملاحظہ کرتے چلیں تا کہ مسئلہ روشن سے روشن تر ہوتا چلا جائے۔

''سوال بستم ! آپ کے ایمان میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم وسیع تر ہے یا ابلیسِ لعین کا۔ جو شخص کہے کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے، اس نے نبیِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی توہین کی یا نہیں؟ ایسا شخص مسلمان ہے یا کافر؟؟؟''

اشرفعلی پر ایک اور معارضہ

اگر ہم بیسوں سوالات کی تشریح کریں تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے

اس لیے ہم یہاں صرف ایک اور سوال کی طرف عنانِ قلم کو پھیرتے ہیں۔

دیوبندی جماعت کے سرخیل اشرفعلی تھانوی سے کسی نے سوال کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم الغیب (غیب کو جاننے والا) کہنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ اس لفظ کا اطلاق حضور کے لیے ہمارے نزدیک ناجائز ہے۔لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور بات بڑھادی، دل کا چور زبان وقلم پر آ گیا۔غیب کی خبر دینے والے رسول سے دشمنی تھی وہ نوک قلم پر آ گئی۔علمِ غیب کی دو قسمیں کیں اور دونوں قسم کی نفی غیب داں نبی سے کر دی۔جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہے۔نبی کے معنیٰ ہی آتے ہیں ''غیب کی خبر دینے والا''۔کیا حضور نے اللہ تعالیٰ کی خبر نہ دی۔کیا حضور نے جنت ودوزخ کی خبر نہ دی،یقیناً دی اور یہ سب غیب سے ہیں۔اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو صبی (بچہ) مجنون (پاگل) اور جانوروں سے تشبیہ دے دی۔اشرفعلی کی زندگی ہی میں یہ عبارت فتنہ کا باعث بنی رہی اور بار بار اس سے سوال ہوا کہ آپ نے حضور کے علم کو جانوروں سے تشبیہ دے کر حضور کی توہین کی ہے،تو اس کا جواب اس کے پاس کچھ نہ تھا۔بس یہ کہ لایعنی تاویل سے کام لیا اور جب تاویلِ بے معنیٰ

پر گرفت کی گئی تو ضد، بے جا ہٹ دھرمی اور بے غیرتی سے چمٹ کر یہ کہہ دیا ''مجھے معقول بھی کر دو مگر وہی کہے جاؤں گا''۔

آج بھی سارے دیو بندیوں سے اور انکے پیشواؤں سے کوئی دریافت کرے کہ اس عبارت سے اسلام کی کون سی خدمت کی، کیا یہ بدعت سیئہ نہیں ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا دل اس سے چھلنی نہیں ہوا؟

تھانوی کی عبارت مسلمان پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ اس نے حضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیسی توہین کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے، کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔'' (حفظ الایمان ص ۸، کتب خانہ اعزازیہ دیو بند)

۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں اشرفعلی تھانوی کے اس کالے کرتوت سے متعلق حضرت ملک العلما اور آپ کے رفقا سوالات لیکر اس

کے پاس پہنچے۔ جن میں اٹھارہواں سوال کتاب ''حفظ الایمان'' مصنفہ اشرفعلی کی اسی مذکورہ بالا عبارت سے متعلق ہے۔

''سوال ہیزدہم: جو شخص یہ کہے کہ بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی یا نہیں؟ کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا ہی علمِ غیب دیا گیا تھا جتنا ہر پاگل اور چوپائے کو حاصل ہے؟ ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا کافر؟ اور جو اسے مسلمان جانے وہ مسلمان ہے یا کافر؟؟'' ۔(ظفر الدین الجید ص ۱۰)

روز روشن کی طرح یہ واضح ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان اور محبتِ رسول ہوگی، وہ اشرفعلی کی مذکورہ عبارت پڑھ کر لرز اٹھے گا اور ہرگز اسے مسلمان نہ جانے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۲۴ھ میں مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے تینتیس (۳۳) اکابرِ علما و مفتیانِ شرع نے، جن کے فتووں پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا اعتماد تھا بالاتفاق اشرفعلی اور اس کے اکابر کے کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہونے کے فتوے دیے۔ آج بھی ان مقدس مقتداؤں کے فتاویٰ ان کے دستخط و مہر کے ساتھ چھپ رہے ہیں اور ہند و پاک میں دستیاب ہیں۔ جو چاہے انہیں دیکھ لے۔ مگر کیسی اندھیر نگری ہے، اتنی کھلی

توہینِ رسول اور اس پر فتاویٰ کفر کے باوجود فرقۂ دیوبندی کے اندھے اور بہرے لوگ ایمان کا جنازہ کاندھوں پر اٹھائے بے شرمی سے گھوم رہے ہیں۔ ان سب کو نبی پاک کی تعظیم پیاری نہیں بلکہ اشرفعلی، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی، اور رشید احمد گنگوہی پیارے ہیں، انہیں نہ صرف مسلمان بلکہ اپنا مقتدا و پیشوا مان رہے ہیں، ان کی پیروی کرتے ہوئے فخر سے کہتے پھر رہے ہیں کہ ہم اشرفعلی کو ایک بڑا عالم اور اپنا پیشوا مانتے ہیں، جبکہ کافر و مرتد کو اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اپنا پیشوا ماننا جہنم کا راستہ اختیار کرنا ہے اور اسے مسلمان جاننا کفر کے دلدل میں پھنسنا ہے۔ اس کے کفر و عذاب میں جو شک کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ مفتیان کرام و علمائے عظام اپنی اپنی کتابوں میں تصریح کر چکے ہیں،

''مَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَ عَذَابِہٖ فَقَدْ کَفَرَ'' (یعنی جس کا کفر ثابت ہو جائے اور اس کا علم بھی ہو جائے اس کے کفر میں کسی کا شک کرنا خود کفر کے گڑھے میں گرنا ہے۔)

اہل دیوبند کو چیلنج: ملک العلما کی انیسویں گرفت بھی ہمارے مسلمان بھائی ذہن نشین کرتے چلیں تا کہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہ رہے۔

یہی اشرفعلی تھانوی، اسماعیل دہلوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد

انبیٹھوی اور قاسم نانوتوی وہابیوں کے یہاں عالم اور پیشوا کہلاتے ہیں۔ یہاں ہم ان کی پوری برادری کے لوگوں سے للکار کر کہتے ہیں کہ اپنے پیشواؤں کے بارے میں اسی طرح لکھ کر شائع کرو جس طرح تھانوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں شائع کر دیا ،

ان اکابرِ دیوبند کا علم علمِ الٰہی کے برابر اور جمیعِ معلومات الٰہیہ کو محیط ہے یا ان کو صرف بعض کا علم ہے، اگر کوئی کہے کہ تمام علومِ الٰہیہ کو محیط ہے تو یہ عقلاً ونقلاً باطل ہے۔ اور اگر بعض علوم کی بنیاد پر انہیں عالم کہا جائے تو اس میں ان کی کیا تخصیص؟ مولوی اشرفعلی تھانوی جیسا علم ہر پاگل کو ہے، مولوی اسماعیل کا سا علم ہر چوپائے کو ہے، مولوی گنگوہی کے جیسا علم ہر کیڑے مکوڑے کو ہے، قاسم نانوتوی، خلیل احمد انبیٹھوی کا سا علم ہر بھیڑ بکری کو ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس قائل نے اشرفعلی، اسماعیل دہلوی، گنگوہی اور دیگر مذکورہ دیوبندی صاحبان کی توہین کی یا نہیں؟ اگر کی تو کیا وجہ ہے کہ یہ الفاظ ان اکابر دیوبند کے حق میں توہین و گستاخی قرار پائیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین نہ ٹھہریں؟؟ اور اگر نہیں تو وہ تخصیص بتائیں کہ ان صاحبوں کو مولوی مولانا اور عالم کہا جائے اور چوپایوں کو نہ کہا جائے باوجودیکہ آپ کے نزدیک یہ چوپائے علم میں ان

صاحبوں کے برابر ہیں تو آخران چوپایوں کو اس لقب (عالم) سے محروم کیوں رکھا جائے؟

بلفظ دیگر۔ جس طرح حضرت ملک العلما قدس سرہ نے آج سے ایک سوسات سال قبل چیلینج کیا تھا آج بھی سارے دیوبندیوں کو یہ چیلینج ہے کہ اگر واقعی ان کلمات کو جواشرفعلی نے لکھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین نہیں جانتے تو بعینہ یہی کلمات اپنے اکابر مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہما کی نسبت لکھ کر چھاپ دیں کہ قاسم نانوتوی، گنگوہی، تھانوی، محمود حسن دیوبندی کو عالم کہا جانا اگر بقول ان کے معتقدین کے صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد کل علم ہے یا بعض علم۔ اگر کل علم مراد ہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی ونقلی سے ثابت ہے اور بعض علم مراد ہے تو اس میں ان لوگوں کی کیا تخصیص ایسا علم تو ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کو بھی حاصل ہے۔

جس دن مقتدایانِ دیوبند یہ اشتہار شائع کردیں گے اس دن سمجھ لیا جائے گا کہ دیوبندیوں کے یہاں یہ کلمات توہین نہیں ہیں۔ اور اگر یہ لوگ نہیں چھاپ سکتے اور صدیاں بیت گئیں اب تک نہ چھاپا تو اذعان ویقین کے ساتھ ہم یہی کہتے ہیں کہ کسی صورت میں یہ نہیں چھاپ سکتے۔ تو معلوم

ہوا کہ یہ کلمات ان دیوبندیوں کے نزدیک بھی ضرور کلماتِ توہین ہیں ورنہ اپنے اکابر، اساتذہ ومشائخ کے حق میں لکھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں۔ جب ان کے اکابر دیوبند کے بارے میں یہ حقیقت طشت از بام ہو چکی کہ ان لوگوں نے اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کی ہیں تو قیامت کے دن یہ عذر کام نہ دے گا کہ یہ میرے استاذ تھے، گمراہ کیسے کہتا، میرے پیشوا تھے، اس لیے برا بھلا نہ کہا، عالم تھے، مدرسہ ومسجد کے بانی تھے اس لیے انہیں کافر نہ جانا، کیا شیطان عالم نہ تھا، وہ تو معلم کہلاتا تھا پھر کافر کیوں ہوا؟

یاد رہے کہ علمائے دیوبند کی ان ہی گھناؤنی عبارات اور گستاخیوں پر مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ اور مکہ ومدینہ زادھما اللہ شرفاً وعدلاً کے تینتیس علمائے کرام ومفتیانِ عظام قدست اسرارھم نے ان پر کفر کے فتاوی دیئے تو ایوانِ دیوبندیت میں زلزلہ آ گیا، گستاخوں کی دنیا زیروزبر ہو گئی اور چیخ پکار شروع ہو گئی، ہائے افسوس! ہمیں کافر کہہ دیا، ہمیں گمراہ وگمراہ گر کہہ دیا، ہمیں جہنمی کہہ دیا۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کام کیا ہے کفر وضلالت کا تو گمراہ وکافر نہ ہونگے تو کیا ہونگے؟ کام کیا ہے منافق کا تو مومن کا لقب کون دے گا؟ ان اکابرِ دیوبند کو دیکھا جائے، سب

نے کسی نہ کسی جہت سے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ضرور گستاخی کی ہے۔ مجھے اس بات کو برملا کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ ان کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد واضح اور صاف طور پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے منصوبہ بند طریقے سے اور منظّم ہو کر یہ مشن چلایا تھا کہ اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کرو۔ اسماعیل دہلوی سے لیکر قاسم نانوتوی تک، گنگوہی سے لیکر انبیٹھوی تک اور تھانوی سے لیکر محمود حسن دیوبندی تک، سب کے سب اس حمام میں ننگے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی امکانِ کذب باری تعالیٰ سے اٹھا اور صدورِ کذب کے قول تک پہونچا۔ انگلی پکڑتے پکڑتے پہنچے تک پہنچ گیا۔ امکانِ کذب کا قائل نہ ہوتا نہ وقوعِ کذب کے گڑھے میں گرتا۔ نہ کفر بکتا نہ فتویٰ لگتا۔ کوئی نبی آخر الزماں کے آخری رسول ہونے پر انگلی رکھتا ہے، تو کوئی علم رسول پر وار کرتا ہے۔ گویا گستاخی ان کی گھٹی میں پلا دی گئی تھی۔ اسی لیے تو محمود حسن دیوبندی نے بھی اپنے پیشرو اسماعیل دہلوی اور خلیل احمد انبیٹھوی ورشید احمد گنگوہی کی اتباع میں اپنی کتاب ''الجہد المقل'' میں اللہ تعالیٰ کے لیے امکانِ کذب کا قول کر دیا۔ اور منظور سنبھلی اپنے اکابر کی وکالت کرتا اور لایعنی تاویلیں کرتا رہا۔

اور جب عرب وعجم کے اساطینِ امت کے فتاوی تکفیر کے تحت ان گستاخوں کے لیے ہندوستان کی زمین تنگ پڑ گئی، ہر طرف سے لعنت وملامت کی صدائیں آنے لگیں اور اپنی چودھراہٹ اور جھوٹی شہرت کو ملیا میٹ ہوتے دیکھا تو پھر مزید جھوٹ کا سہارا لیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اور جھوٹ کا سہارا کیوں نہ لیتے۔ اپنے خدا ہی کو جھوٹا کہہ دیا تو کیا نہیں کر سکتے تھے۔ جب ان کا خدا جھوٹ بول سکتا ہے تو یہ بولیں تو کیا عجب ہے۔ پہلو بدل بدل کر دروغ گوئی ہی کی طرف آئے اور اپنی اور اپنے اکابر کی عبارتوں میں غیر معتبر تاویل کے بہانے تحریف وتبدیل شروع کر دی۔ انصاف پسندی کا تقاضا یہ تھا کہ توہین آمیز اور کفری عبارات اپنی کتابوں سے نکال دیتے اور توبہ وتجدیدِ ایمان کا عمل اختیار کرتے مگر یہ نہ کیا، غلط سلط تاویلیں کر کے تغلیط وتبدیل کرنے لگے۔ اس کے رد میں تاجدارِ اہلسنت مفتی اعظم وارث محی الدین جیلانی حضرت علامہ مصطفٰے رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے ''الموت الاحمر'' کی شکل میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر اور دندانِ شکن جواب دیکر مرتضٰی حسن دربھنگوی نائب ناظم مدرسہ دیوبند کی ساری تدبیروں اور ترکیبوں کے خیالی شیش محل کو چکنا چور کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ جس کو یہ تاویل سمجھتے ہیں وہ تاویل نہیں بلکہ تغلیط وتبدیل ہے۔ جب اس

ترکیب سے بھی بات نہ بنی اور دشمنانِ خدا ورسول کی مطلب برآری نہ ہوئی تو یہ کہنے لگے ''ہم نے ایسے اقوال ہرگز نہیں کہے'' بلکہ اپنے جرم کو چھپانے اور پاک دامنی کا اظہار کرنے کے لیے یہاں تک لکھ دیا،

''ہم لوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا درکنار جس کے دل میں اس کا خطرہ بھی گزرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں''۔

سوال یہ ہے کہ جب آپ نے یہ عبارتیں لکھیں، آپ کے مکتبوں سے چھپ رہی ہیں، آپ کے نام سے شائع ہو رہی ہیں، آپ کبھی نہیں کہتے کہ یہ ہماری کتابیں نہیں ہیں تو یہ واضح جھوٹ کیا کام دے گا۔

دیوبندیوں کے اس دروغ افشانی کو ایک دل نشیں مثال کی صورت میں حضرت ملک العلما کے نوک قلم سے ملاحظہ کیجیے :

''رہا اس امر کا انکار اور یہ کہنا کہ ہم نے ایسا کبھی نہیں کہا اور نہ میرے دل میں اس کا خطرہ گزرا، اس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے کہ ایک شخص نے چوری کی، مال چوری کا اس کے پاس موجود ہے، لوگوں نے اس کو گرفتار کیا۔ دارالقضا میں آکر طراری دکھاتا ہے کہ میں نے ہرگز چوری نہ کی، بلکہ چوری کرنا درکنار میرے دل میں تو کبھی چوری کرنے کا خطرہ بھی نہ گزرا، تو جس وقت اس کے پاس چوری کی گٹھری موجود ہے، کوئی بھولا ہی آدمی اس کی اس

چکنی چپڑی بات میں آکر اس کو بے قصور سمجھے گا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے جسے کچھ بھی عقل کا حصہ دیا ہے وہ یہی کہے گا کہ بے ایمان! جب تو نے چوری نہ کی تو گٹھری تیرے پاس کہاں سے آئی۔ بعینہ یہی حال مولوی صاحب (تھانوی) کا ہے۔ حفظ الایمان ان کی چھپی ہوئی کتاب موجود ہے، اس میں یہ عبارت موجود، پھر انکار کی کیا وقعت؟ اور دل میں خطرہ نہ گزرنے کا کیا معنٰی''۔ (ظفر الدین الجید ص ۱۹)

اسی کو کہتے ہیں ''چوری اور سینہ جوری''

مناظر اہلسنت حضرت ملک العلما قدس سرہ نے مذکورہ رسالہ کے آخر میں تکمیل کے تحت بڑی پیاری پیاری اور دلچسپ باتیں درج کی ہیں۔ نشاطِ طبع اور وہابیوں کی کرشمہ سازی کو مزید سمجھنے کے لیے ذیل کے ایک اقتباس کو پڑھ لیجیے، جس میں دیوبندیوں کی حواس باختگی پر دلچسپ تبصرہ بھی ہے:

''جب اس ترکیب سے بھی مطلب برآری نہ ہوئی تو مولوی صاحب (مرتضٰی حسن دربھنگوی) نے دوسری کروٹ لی اور ان لوگوں سے سوالات کیے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپکی طرف ایسے ایسے اقوال منسوب کرتے ہیں۔ کیا آپ نے ایسے ایسے اقوال کہے ہیں اور اس کے

کہنے والے کو مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟ اس کا جواب ان لوگوں نے یہ دیا کہ ہم نے ایسے اقوال ہرگز نہیں کہے۔ ہملوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا درکنار، جس کے دل میں ان کا خطرہ بھی گزرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔ ان سب جوابات کو ایک رسالہ میں جس کا نام ''الختم علیٰ لسان الخصم'' رکھا ہے، چھاپ کر شائع کیا۔ ایک نسخہ میرے پاس بھی بھیجا۔ میں نے شکریہ..... کے علاوہ ایک خط لکھا جس میں لکھا تھا کہ آؤ یار ہاتھ ملائیں۔ ''جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے'' جس وقت اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتوی دیا تھا تو آپ حضرات نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا کہ ہائے کافر کہہ دیا، کفر کا فتوی دے دیا، بات بات میں کافر کہا کرتے ہیں۔ اب یہ اعلیٰ حضرت کے فتوی کی کیسی پوری تصدیق ہے کہ جن جن اقوال کو اعلیٰ حضرت نے کلمۂ کفر بتایا تھا، ان سب کو آپ کے علما و اکابر بھی کلمۂ کفر ٹھہرا رہے ہیں اور ان کے قائل کو کافر بتاتے ہیں، بلکہ تکفیر میں غلو بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جس کے دل میں اس کا خطرہ گزرے اس کو کافر بتاتے ہیں، حالانکہ خطرات پر ہرگز حکمِ کفر نہیں بلکہ حدیث شریف میں تو اس کو صریح الایمان فرمایا گیا۔ ''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ

فِیْ اَنْفُسِنَا مَا یَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ یَّتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَوَ قَدْ وَجَدْتُمُوْہُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِکَ صَرِیْحُ الْاِیْمَانِ (رواہ مسلم)''

اکابرِ دیوبند کی خود اپنے فتویٰ سے تکفیر

حضرت ملک العلما کے مذکورہ تبصرہ وتنقید کو بار بار پڑھیے، یہاں دو امر واضح ہوکر سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ اشرفعلی تھانوی وغیرہ نے جو توہینِ رسالت پر مشتمل عبارات لکھی ہیں اور جنکی بنیاد پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور علمائے حرمین نے ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ ان کے نزدیک بھی کلمات کفر ہیں۔ خود ان لوگوں نے اپنے رسالہ ''الختم علیٰ لسان الخصم ''میں لکھا ہے، ''ہم لوگ ایسے اقوال کہنے والے بلکہ کہنا درکنار جس کے دل میں ان کا خطرہ بھی گزرے اس کو بھی کافر کہتے ہیں'' لہٰذا اکابرِ دیوبند کے خود اپنے ہی فتاویٰ سے ان کا کافر ہونا ثابت ہو گیا۔ ع۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

دوسرا امر یہ واضح ہوا کہ یہ دیو کے بندے ہی مسلمانوں کو کافر بنانے یا سمجھنے کا کام کرتے ہیں۔ اسی لیے تو دل میں کلمۂ کفر کا محض خطرہ و وسوسہ گزرنے کو جبکہ آدمی برا جانتا ہو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عین ایمان بتایا اور اس سے متصف افراد کو واضح مسلمان فرمایا لیکن یہ دیابنہ یہ

جواب دے کر کہ ''جس کے دل میں ان اقوال کا خطرہ بھی گزرے اس کو بھی ہم کافر کہتے ہیں، ''صریح ایمان'' کو کفر اور اس سے موصوف اشخاص کو کافر گردان رہے ہیں۔ حق ہے کہ چور لاکھ اپنی چوری پر پردہ ڈالے مگر کہیں نہ کہیں اپنا نشان چھوڑ ہی جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے کا جھوٹ اور چوری کرنے والے کی چوری ایک نہ ایک دن پکڑ میں آ ہی جاتی ہے۔

یہ مخفی نہ رہے کہ حضرت ملک العلما اور ان کے رفیق مولانا سید محمد عبد الرشید وغیرہما طلبۂ منظر اسلام بریلی کے یہ بیس سوالات اتنے مسکت اور لاجواب تھے کہ تھانوی کو انھیں ہاتھ میں لیتے ہی ان کے وزنی ہونے کا اندازہ ہو گیا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ

''میں نے آپ سے لے لیا اور اب آپ مجھ سے لے لیجیے''

ان حضرات نے صرف اسی مجلس میں یہ سوالات نہیں پیش کیے بلکہ اشرفعلی کا کئی جگہ پیچھا کیا اور یہ سوالات پیش کیے۔ تعاقب کرنے والوں میں حضرت سید مولانا عبد الرحمٰن بیتھوی کیری شریف علیہ الرحمہ بھی تھے۔

دیوبندیوں کے ایک اور مولانا مرتضٰی حسن دربھنگی نے بھی چاہا کہ کسی طرح ہمارے اکابر پر سے کفر کے فتوے اٹھ جائیں لیکن اس کا جو حشر ہوا اس کا اندازہ گزشتہ صفحات کی عبارتوں سے قارئین کو لگ گیا ہوگا۔ مزید

وضاحت کے طور پر اس کے حشر ونشر کا اندازہ حضرت ملک العلما قدس سرہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے لگالیجیے۔ کتاب ''ظفر الدین الجید'' کے آخر میں یوں رقمطراز ہیں،

''وہ زمانہ ہے اور آج کا دن ہے، کبھی مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو پھر کچھ لکھنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ مہر جو اپنے خصم پر لگانی چاہی تھی، خود ان کے منہ پر ایسی لگی کہ شاید کبھی بولنے کی ہمت نہ ہو۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ''

اکابر دیوبند کی کتابوں کی توہین آمیز عبارتوں کو دیکھنے کے بعد قارئین بھی یقینی طور پر اس نتیجے پر پہنچ گئے ہوں گے کہ سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت ابن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کے نظریات واعتقادات کے فروغ واستحکام کے لیے سب کے سب ایک جٹ ہو کر توہینِ خدا اور سول پر کمر بستہ اور حبِّ خدا ورسول کے خلاف برسر پیکار ہیں، ورنہ اگر کسی ایک سے ایسا جرم سرزد ہوتا، یکے بعد دیگرے سب کی عبارتیں گستاخیوں پر مشتمل نہ ہوتیں، تو کوئی یہ کہہ دیتا کہ بغیر منصوبہ کے ایسی غلطی اس نے کر دی ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ رامپور، بدایوں، خیر آباد، فرنگی محل لکھنؤ اور بریلی سے جو کہ چوٹی کے علمائے کرام ومفتیانِ عظام اور خدامِ دین کے مراکز تھے اور آج بھی ان میں سے بعض کی مرکزیت مسلم ہے، اس طرح کی عبارتیں معرضِ

وجود میں نہ آئیں اور اکابرِ دیو بند میں سے تقریباً ہر ایک کی عبارتوں میں اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیوں کا طومار ہے۔

کیا اس سے ان محققین کے اقوال کی تصدیق وتائید نہیں ہوتی جنہوں نے اپنی تحقیقات میں درج کیا ہے کہ یہ لوگ اسلام دشمن انگریز اور ننگِ انسانیت یہودی لابی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا مقصد صرف اور صرف ان کے مشن کو فروغ دینا اور ان کی سازشوں کو استحکام بخشنا تھا، مگر علمائے اہلسنت کے بروقت متحرک ہو جانے، شبانہ روز کی دوڑ دھوپ اور انتھک کاوشوں سے ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔

اعلیٰ حضرت کا سینہ ڈھال بن گیا: آج سارے دیو بندی وہابی امام عشق و محبت، فقیہ اعظم، مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلی قدس سرہ، جن کی تائید وتحسین علمائے ہند و پاک کے ساتھ ساتھ علمائے مکہ ومدینہ نے کی، ان کو خلافت واجازت سے نوازا اور خود بھی لی، کو برا بھلا کہتے نہیں تھکتے ہیں، محض اس لیے کہ انہوں نے اور ان کے خلفا مثل ملک العلما نے حق بات کہہ دی، گستاخ کو گستاخ کہا، کافر کو کافر کہا، اور رسولِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اَلْحَقُّ مُرٌّ"۔ (حق بات کڑوی ہوتی ہے)۔ جبکہ اس میں نہ امام احمد رضا کا قصور ہے، نہ ان کے احباب وشاگرد مثل ملک العلما کا، اور نہ ہی علمائے مکہ و مدینہ کا۔ ان

حضرات نے گستاخِ رسول کو گستاخِ رسول اور کافر کو کافر کہہ کر ایک طرف آدمی نما بھیڑیے سے مسلمانوں کو ہوشیار کیا، انہیں بچایا، تو دوسری طرف گستاخیوں اور گالیوں کے وہ تیر جو مکینِ گنبد خضریٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر برسائے جا رہے تھے، ان کا رخ اپنی طرف کرالیا ورنہ ان حضرات کو علمائے دیوبند کے کفری عبارتوں پر فتویٰ دے کر گالیاں سننے کا کوئی شوق نہ تھا، آپ نے اعلان کر دیا، احمد رضا کو جتنی گالیاں دینا چاہو دے لو مگر ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دو۔ توہین و گستاخی کا جو بھی تیر چلانا چاہو میری طرف چلاؤ۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ وہابیوں، دیوبندوں کے دشنامی تیروں کا رخ امام احمد رضا کے فتوے کے بعد مدینہ منورہ کی بجائے بریلی کی طرف ہو گیا، امام احمد رضا کا سینہ سامنے آکر ڈھال بن گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو مزید گستاخیوں سے بچالیا۔ اب کوئی دیوبندی وہابی اس طرح کھل کر گالی نہیں دے سکتا۔ پھر آپ پر انعام خسروی ہوا کہ آپ نے صدر الافاضل، صدر الشریعہ، مفتیِ اعظم، ملک العلما، مولانا سید عبد الرحمٰن بیتھوی وغیرہم، پر مشتمل ناموسِ رسالت کے تحفظ کا ایک دستہ تیار کیا اور اس حفاظتی دستہ کے میر کارواں اور علمبردار کے نام سے ایک عالم میں جانے پہچانے گئے، افق عالم پر امام عشق و محبت اور مجدد اعظم کی حیثیت سے چھا گئے۔

قارئین کرام! یہ حضرت علامہ ملک العلما ظفر الدین رضوی محدث بہار کے علمی مقام کے بارے میں صرف ایک کتاب میں مذکوران کے چند سوالات اور کچھ اقتباسات ہیں، جنکی روشنی میں ملک العلما کی مناظرانہ شان وشوکت کی چند جھلکیاں پیش کی گئیں ہیں۔ اگر یہ مقام طول کا متحمل ہوتا تو ایسی کئی جھلکیاں میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا اور اگر میری میز پر حضرت ملک العلما قدس سرہ کے دوسرے چند اور مناظروں کی روداد مثلاً شکستِ سفاہت۔ گنجینۂ مناظرہ اور ظفر الدین الطیب وغیرہ ہوتیں تو یہ مضمون ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کرسکتا تھا۔

ملک العلما کی شان عالی میں یہ حقیر نذرانۂ عقیدت اور خراجِ محبت اگر قبولِ بارگاہ ہو جائے تو میرے لیے نصیبے کی ارجمندی اور سعادت کی سربلندی ہوگی۔ جس ذات ستودہ صفات کا خاتمہ بالخیر ذکر جہر ''اللہ، اللہ'' پر ہوا، اس پر لکھے ہوئے مقالے کا خاتمہ بھی ذکر ''اللہ'' پر سگ کوئے قادری کرتا ہے۔ ''اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ''۔

محمد عابد حسین قادری رضوی نوری برکاتی مصباحی

خادم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

۷؍ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ یک شنبہ ۴؍۴؍۲۰۰۹ء

☆☆☆

تصانیف علامہ ملک العلما ایک نظر میں

گزشتہ صفحات سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہو چکا کہ حضرت ملک العلما بہت سے علوم میں ماہر تھے۔ اور بعض علوم میں تو اپنے معاصرین سے ممتاز تھے۔ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا ہے ''یہ علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں'' اور نہ صرف ان علوم عقلیہ ونقلیہ پر عبور و دسترس رکھتے تھے بلکہ صفحۂ قرطاس پر لا کر علمی یادگار بنانے میں میں بھی کمال مہارت رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ کو کثیر التصانیف مصنف مانا جاتا ہے۔ آپ کی تصانیف ستر (۷۰) سے زائد ہیں اور بقول بعض ڈیڑھ سو (۱۵۰) تک پہنچتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی فہرست امیر القلم محب محترم مولینا غلام جابر شمس مصباحی کے مشورے سے ہم یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت اور بھی اجاگر اور نمایاں ہو کر سامنے آئے۔

	اسمائے کتب	سن تصنیف	موضوع
۱.	**صحیح البہاری** (جامع الرضوی) (چھ جلدوں پر مشتمل تقریبا پچاس ہزار حدیثوں کا مجموعہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی، مطبوعہ ۱ رجلد)	۱۳۴۵ھ	علم حدیث
۲.	**حیات اعلیٰ حضرت**، ۴ر جلدیں، مطبوعہ ۳ رجلدیں (سیدنا اعلیٰ حضرت	۱۳۶۹ھ	سیرت و سوانح

	امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی سوانح حیات پر چار جلدوں پر مشتمل جامع، وقیع اور مستند کتاب۔ یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی)		
۳.	**عافیہ**۔(۱۹۴۶ء میں مطبع حسنی پریس، بریلی سے شائع ہوئی اس میں ''میزان'' سے ''شافیہ'' تک کے مسائلِ صرف درج ہیں)	۱۳۳۵ھ	علم صرف
۴.	**وافیہ**۔(اس میں ''نحو میر'' سے ''مغنی اللبیب'' تک کے مسائل نحو درج ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ موجود ہے)	۱۳۳۵ھ	علم نحو
۵.	التعلیق علی شروح المغنی	۱۳۳۱ھ	علم نحو
٦.	القصر المبنی علی بناء المغنی۔ (عربی زبان میں ''مغنی اللبیب'' کی شرح ہے۔ قلمی نسخہ موجود ہے۔)	۱۳۳٦ھ	علم نحو
۷.	معظم المبانی فی حروف المعانی۔ قلمی نسخہ موجود ہے۔	۱۳۳۷ھ	علم نحو
۸.	تقریب۔ اس میں منطق کی کتاب صغریٰ سے لے کر سلم تک کے مسائل پر گفتگو کی	۱۳۳۵ھ	علم منطق

	گئی ہے		
۹.	تہذیب۔(فلسفہ کے ابتدائی مسائل کو بیان کیا گیا ہے)	۱۳۳۵ھ	علم فلسفہ
۱۰.	الانوار الّامعة من الشمس البازغة (مخطوطہ موجود ہے)		
۱۱.	الفوائد التامة فی اجوبة الامورا لعامة۔ (قلمی نسخہ بخط مصنف موجود ہے)	۱۳۵۷ھ	علم کلام
۱۲.	الافادات الرضوية (عربی) ممکن ہے کہ صحیح البہاری کا مقدمہ جوافادات رضویہ سے موسوم ہے، یہ اسی کا ایک حصہ ہو۔ مولانا طفیل احمد بھاگلپوری، اشرفیہ مبارکپور نے اس مقدمہ کا دلنشین انداز میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، جو کافی مقبول بھی ہوا ہے۔	۱۳۴۴ھ	اصول حدیث
۱۳.	تسهيل الوصول الىٰ علم الاصول۔ (قلمی نسخہ محفوظ ہے)	۱۳۳۸ھ	اصول فقہ
۱۴.	شرح كتاب الشفا بتعريف حقوق المصطفیٰ (بزبان عربی)	۱۳۲۴ھ	سیرتِ رسول ﷺ
۱۵.	التعليق على القدوری۔ غیر مطبوعہ	۱۳۲۵ھ	فقہ

	(بزبان عربی) فقہ کی مشہور کتاب قدوری پر حاشیہ ہے۔		
۱۶.	ظفر الدین الجید۔ (اشرفعلی تھانوی کے سامنے بیس مسکت سوالات رکھے، جن کے جواب سے وہ لاجواب ہوگیا۔ ان ہی سوالات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مطبوعہ مطبع اہل سنت، بریلی شریف)	۱۳۲۳ھ	فن مناظرہ
۱۷.	ظفر الدین الطیب۔ مطبوعہ بریلی شریف	۱۳۲۳ھ	مناظرہ
۱۸.	مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس۔ (بزرگان دین کے عرس کے جواز پر یہ کتاب لاجواب ہے۔ مطبوعہ افکار حق پورنیہ۔ فتاوی ملک العلما میں بھی شامل ہوکر دہلی سے شائع ہوچکی ہے۔)	۱۳۲۴ھ	فقہ
۱۹.	اعلام المساجد بصرف جلود الاضحیة فی المساجد۔ غیر مطبوعہ (قربانی کے چمڑوں کو مسجد میں دے سکتے اور ان کی رقم مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ اس مسئلہ کو دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے)	۱۳۲۵ھ	فقہ

۲۰.	الجواہر والتواقیت فی علم التوقیت (معروف بہ توضیح التوقیت۔ مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد۔ یہ کتاب راقم کی نظر سے گزری ہے)	۱۳۳۰ھ	فن توقیت
۲۱.	بدرالاسلام لمیقات کل الصلاۃ و الصیام	۱۳۳۵ھ	فن توقیت
۲۲.	مؤذن الاوقات۔ (کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اوقات صلوۃ وصیام کے لیے یہ رسالہ رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اس کی تحسین فرمائی ہے۔ یہ فقیر کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔)	۱۳۳۵ھ	فن توقیت
۲۳.	توضیح الافلاك معروف بہ سلم السماء۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۴۰ھ	علم ہئیت
۲۴.	مشرقی کا غلط مسلک۔ مطبوعہ اعظم گڑھ	۱۳۵۸ھ	علم ہئیت وتوقیت
۲۵.	المجمل المعدد لتالیفات المجدد	۱۳۳۷ھ	
۲۶.	ھادی الھداۃ لترك الموالات (ترک موالات کے مسئلہ کا بیان ہے)	۱۳۳۹ھ	ردوتنقید
۲۷.	ندوۃ العلما (اس میں عبدالحیٔ ناظم ندوۃ	۱۳۳۸ھ	ردوتنقید

	العلما کی ایک سالانہ روداد پر تنقید ہے)		
۲۸.	**عید کا چاند**۔ (۱۹۵۲ء میں جناب قیس محمد خاں مرحوم پٹنہ نے برقی پریس دہلی سے چھپوایا۔ ماسٹر قیس محمد خاں صاحب کے سوال کے جواب میں یہ رسالہ ہے۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ چاند کے ثبوت میں تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبریں معتبر نہیں ہیں، یہ فتاوی ملک العلما میں بھی شامل ہو کر دہلی سے شائع ہوا ہے۔	۱۳۷۰ھ	مسائل فقہیہ
۲۹.	**جواہر البیان**۔ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات میں الخیرات الحسان زبردست معتبر کتاب ہے۔ عوام کے افادہ کے پیش نظر حضرت ملک العلما نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ پہلی بار مولانا لعل محمد خاں مدراسی ثم کلکتوی مرحوم نے مطبع اہل سنت زکریا اسٹریٹ کلکتہ سے ۱۳۳۳ھ میں چھپوایا۔ راقم کی ذاتی لائبریری میں استنبول ترکی کا نسخہ ہے۔	۱۳۳۳ھ	سیرت و سوانح

۳۰.	سرور القلوب المحزون فی الصبر عن نور العیون (اولاد وغیرہ کے انتقال پر صبر اور احوالِ موتی کے حوالے سے یہ لاجواب کتاب ہے۔ یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ پہلی مرتبہ حافظ عبد الحفیظ اشرفی مرحوم نے ۱۴۰۳ھ میں پٹنہ سے شائع کیا۔ پھر دوسری مرتبہ خود حضرت کی ایک شہزادی نے شائع کیا ہے۔ ۱۴۰۳ھ کا نسخہ فقیر کے پاس ہے۔	۱۳۳۸ھ	
۳۱.	سد الفرار لمهاجری بهار۔ معروف بہ ہجرت بنگال، مطبوعہ پٹنہ	۱۳۶۶ھ	
۳۲.	تنویر السراج فی ذکر المعراج۔ حضرت ملک العلما نے کئی سال تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے موضوع پر تقریریں کیں، یہ کتاب آپ کی گیارہ تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کا کچھ حصہ لاہور سے طبع ہوا، غالباً وہی مطبوعہ فقیر نوری کے مطالعہ سے گزرا ہے۔	۱۳۵۳ھ	سیرت
۳۳.	النور و الضیاء فی سلاسل الاولیاء۔ بخط مصنف محفوظ ہے۔ (۳۰۹ صفحات کا یہ		

	شجرہ ونسب نامہ ہے)		
۳۴.	**مولود رضوی**۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کے موضوع پر مستند احادیث وروایات پر مشتمل یہ کتاب ہے۔	۱۳۶۰ھ	سیرت
۳۵.	نصرة الاصحاب باقسام ایصال الثواب (مردوں کے ایصال ثواب کے جواز اور اس کی قسموں کے حوالہ سے احادیث اور مستند واقعات پر مشتمل اس قدر روانی مواد اس کتاب میں حضرت الملک العلما نے جمع کر دیئے ہیں کہ تقریباً پندرہ سال سے چالیسواں وغیرہ کے پروگراموں میں اس سے اخذ کر کے فقیر نوری تقریریں کرتا ہے۔ اور وہ قابل اعتنا سمجھی جاتی ہیں فللہ الحمد! یہ کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ پٹنہ اور مبارک پور کے نسخے فقیر راقم کے پاس ہیں)	۱۳۵۴ھ	
۳۶.	اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام۔ غیر مطبوعہ	۱۳۴۱ھ	احوال عرب
۳۷.	گنجینۂ مناظرہ	۱۳۳۴ھ	

۳۸.	خير السلوك فی نسب الملوك۔ (غیر مطبوعہ، قلمی نسخہ محفوظ ہے۔)	۱۳۲۳ھ	تاریخ و علم الانساب
۳۹.	كشف الستور من مناظره رامفور۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۳۲ھ	فن مناظرہ
۴۰.	شکست سفاہت (میوات کے ایک مقام پر حضرت ملک العلمانے ایک بد مذہب سے مناظرہ کر کے اس کا پتہ پانی کر دیا، اسی کی روداد اس میں درج ہے، یہ وہیں سے طبع ہوا)	۱۳۲۶ھ	فن مناظرہ
۴۱.	نزول السكينة با سانيد الاجازة المتينة	۱۳۳۲ھ	
۴۲.	تحفة الاحباب فی فتح الكوة و الباب (فتاوی ملک العلما میں شامل ہو کر چھپ چکا ہے)	۱۳۳۶ھ	
۴۳.	بسط الراحة فی الحظر و الاباحة۔	۱۳۲۶ھ	فقہ وافتا
۴۴.	الفيض الرضوى فی تكميل الحموى	۱۳۲۶ھ	
۴۵.	القول الاظهر فی الاذان بين يدی المنبر (جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر منبر و امام کے مواجہہ میں دینے کا حکم ہے)	۱۳۳۳ھ	فقہ وافتا

۴۶.	نهاية المنتهى فى شرح هداية المبتدى۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۴۳ھ	
۴۷.	اصلاح الایضاح		رد
۴۸.	نافع البشر فی فتاوی ظفر، (فتاوی ملک العلما) حال ہی میں آپ کے فتاوی کا ایک مجموعہ ''فتاوی ملک العلما'' کے نام سے دہلی سے شائع ہوا ہے۔ جسے مولانا ارشاد ساحل سہسرامی صاحب نے ترتیب دیا ہے۔سیکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔		
۴۹.	تنویر المصباح للقیام عند حی الفلاح۔ مطبوعہ، فتاوی ملک العلما میں بھی شامل ہو کر چھپ چکا ہے۔	۱۳۷۱ھ	فقہ
۵۰.	جامع الاقوال فی روية الهلال۔مطبوعہ	۱۳۵۷ھ	فقہ
۵۱.	الحسام المسلول علی علم منکر الرسول۔(غیر مطبوعہ)	۱۳۲۳ھ	رد
۵۲.	مسجد الکنزہ علی الکلاب الممطرہ۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۲۸ھ	

۵۳.	النبراس لدفع ظلام المنهاس۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۲۹ھ	
۵۴.	رفع الخلاف من بين الاحناف۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۲۲ھ	
۵۵.	**مشرقی اور سمت قبلہ**۔ مطبوعہ اعظم گڑھ	۱۳۵۸ھ	رد
۵۶.	تحفة العظماء فی فضل العلماء۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۶۵ھ	فضیلت علم و علما
۵۷.	مکاتیب ملك العلماء		
۵۸	مبین الھدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ۔ غیر مطبوعہ	۱۳۲۳ھ	سیرت
۵۹.	تحفة الاحبار فی اخبار الاحبار۔ (غیر مطبوعہ)	۱۳۳۷ھ	فضیلت علم و علما
۶۰.	**دلچسپ مکالمہ** (اس کا دوسرا نام ''تدبیر اکثریت'' ہے)	۱۳۴۷ھ	
۶۱.	زواج الایامیٰ۔	۱۳۴۵ھ	
۶۲.	**چودھویں صدی کے مجدد** (اس رسالہ میں مجددین پر گفتگو کی گئی ہے اور امام احمد رضا کا مجدد ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ فقیر نوری		

	کے مطالعہ میں ایک زمانے تک یہ رسالہ رہا ہے، اس کے انداز تحریر اور جاذبیت سے بہت متأثر ہوا۔)		
۶۳.	رسالہ۔ مطبوعہ مبارک پور		
۶۴.	التحقيق المبين لكلمات التوابين	۱۳۳۰ھ	
۶۵.	اطيب الاكسير فی علم التكسير	۱۳۳۰ھ	علم تکسیر
۶۶.	الاكسير فی علم التكسير	۱۳۳۷ھ	علم تکسیر
۶۷.	مكتوبات مشاهير بنام ملك العلما		

☆☆☆

منظوم خراج عقیدت

"ملک العلما" جنھیں کہتی ہے دنیا آج تک
چرخ پہ روشن تھا تارا شاہ ظفر الدین کا
صرف و نحو و فقہ و منطق، فلسفہ، علم اصول
گہرا ہر فن سے تھا رشتہ شاہ ظفر الدین کا
علم تفسیر و حدیث پاک میں تھے با کمال
فن میں اونچا مرتبہ تھا شاہ ظفر الدین کا

(مفتی محبوب رضا)

علم کا ساغر، فضل کا دریا، ملک العلما یاد آئے
فکر میں اعلیٰ، علم میں بالا، ملک العلما یاد آئے
عالم و فاضل، قاری و مفتی، فیضِ رضا کے درپن تھے
یہ ہے ان کا اصلی سراپا، ملک العلما یاد آئے

(عتیق الرحمٰن احبابؔ رضوی)

مسلک احمد رضا کا آج بھی جاری ہے فیض
آج بھی ازبر ہے مومن کو حدیثِ دلبراں
آج ظفر الدین بہاری کا فداؔ سال وصال
کر رقم تو "نائب احمد رضا بدر جہاں"

(شاہ فدا حسین فداؔ، لاہور)

زندگی بھر علم کے موتی لٹاتے ہی رہے
خلوت و جلوت میں اور پھر درس و تدریسات میں
اعلیٰ حضرت نے انہیں ایسا منور کر دیا
جس طرح ہو چاند روشن چودھویں کی رات میں
اہل سنت کا مشامِ جاں معطر کر دیا
اس قدر وہ پھول مہکا علم کے باغات میں

(از قلم مولانا مبارک رضوی پورنیہ)

انہیں سمجھو! سمجھ میں آئے گا علم رضا کیا ہے
فقیہ دین و ملت ہیں، یہ ملک العلما ظفر الدین
جنہیں بخشا خطاب احمد رضا نے ملک العلما کا
سراپا جاہ و حشمت ہیں، یہ ملک العلما ظفر الدین
جو دیکھا پٹنہ کے نجدی نے ان کی جامع الرضوی
کہا سرتا پا عظمت ہیں، یہ ملک العلما ظفر الدین
یہ دریائے شریعت اور طریقت کے شناور ہیں
سریرِ دین کی زینت ہیں، یہ ملک العلما ظفر الدین

(از قلم مولانا عبدالہادی رضوی استاد جامعہ فاروقیہ بنارس، یو. پی)

علم کا ہر سو ہے چرچا شاہ ظفر الدین کا
جلوۂ علمی ہے ہر جا شاہ ظفر الدین کا

مہر تاباں بن کے چمکا جو عظیم آباد میں

لاکھوں میں اونچا تھا رتبہ شاہ ظفر الدین کا

اعلیٰ حضرت نے کہا میرے ظفر کو ظفر دے

فتح مندی کا تھا تمغہ شاہ ظفر الدین کا

(از قلم مفتی محبوب رضا، شیخ الحدیث فیضان مفتی اعظم پھول گلی بمبئی)

علم وفن ہے کون سا جس سے نہیں آگاہ وہ

اس زمانے میں ہماری جان ظفر الدین ہیں

مسئلہ جیسا بھی آیا حکم شرعی دے دیا

مسندِ افتا کے وہ سلطان ظفر الدین ہیں

کارِ افتا میں جسے رکھتے رہے احمد رضا

بالیقیں وہ عامل قرآن ظفر الدین ہیں

ایک بہاری قریۂ ادنیٰ کے باشی ہیں مگر

سنیوں کے عالم ذی شان ظفر الدین ہیں

(از قلم مولانا عبد المقتدر خان جالوی، دربھنگہ)

واصفِ وصفِ نبی ہیں شاہ علامہ ظفر

عاشقِ مولیٰ علی ہیں شاہ علامہ ظفر

خاک ہو جائے نہ کیوں جل کر نشیمن کفر کا
شعلۂ عشق نبی ہیں شاہ علامہ ظفر
اسوۂ حسنہ پہ ان کے آج بھی چلتے ہیں لوگ
پرتوِ خُلق نبی ہیں شاہ علامہ ظفر

(از قلم نقیب اہل سنت مولانا علی احمد سیوانی)

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قضائے حاجات کے لیے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو وسیلہ سمجھ کر ان سے فریاد کرے، حقیقی مددگار اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے۔ ضرورت اور پریشانی کے وقت مندرجہ ذیل استغاثہ کو گیارہ بار پڑھے۔ اول و آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف

اے معدنِ لطف و جود و احسان مددے — قطبُ الاقطاب پیرِ پیراں مددے
کشفی بدرِ تو مستغیث آمدہ است — غوث الثقلین شاہ جیلاں مددے

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیأً للہ۔

پیش کش :۔ از محمد فرید بخش بن صوفیہ بیگم و
عائشہ خاتون بنت صوفیہ بیگم۔ دھتکی ڈیہہ، بی بلاک، جمشید پور

یا اللہ! حضور الشیخ عبد القادر جیلانی کے طفیل ہمیں عفو و عافیت عطا فرما اور ہمارے مندرجہ ذیل مرحومین کی مغفرت فرما۔

۱۔ رحیم بخش مرحوم — ۲۔ کریم بخش مرحوم

دشمنوں کے شر سے حفاظت

جب بھی کسی کو کوئی دشمن ستائے اور پیچھا نہ چھوڑے یا مقدمہ وغیرہ میں پھنسا ڈالے تو مندرجہ ذیل وظیفہ بعد نماز عشا ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار تا حصول مراد پڑھا کرے۔ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف۔ انشاء اللہ الرحمٰن حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل دشمن زیر ہو کر قدموں میں آ کر گرے گا۔ یہ سرکار اعلیٰ حضرت اور سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عطیہ ہے۔

:۔ طفیلِ حضرتِ دستگیر دشمن ہووے زِیر :۔

پیش کردہ :۔

۱ ازمخیرّ قوم جناب الحاج مختار صفی رضوی صاحب عرف مسٹر بھائی، بانی و مہتمم مرکزی دار القرأت، ذاکر نگر، جمشید پور

۲ ہمدرد قوم وملت جناب الحاج غلام عربی صاحب، سکریٹری دار العلوم مرکزی دار القرأت، ذاکر نگر، جمشید پور

۳ ہمدرد قوم جناب حافظ اسرار احمد صاحب، سکریٹری مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور

یا اللہ! ان اصحاب الفضیلۃ والسیادہ اور ان کے جملہ اہل خانہ کو دنیا و آخرت کی مزید بھلائیوں سے مالا مال فرما اور ان کے مندرجہ ذیل مرحومین کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔

۱. جناب نظیر عالم صاحب مرحوم والد گرامی جناب حاجی غلام عربی اور جناب حاجی مختار صفی صاحبان۔

۲. جناب افتخار احمد صاحب مرحوم عرف بھٹو۔ (برادر اوسط) جناب مختار صفی صاحب۔

حسب فرمائش

جناب الحاج مختار صفی صاحب (مسٹر بھائی)

بانی ومہتمم مرکزی دار القرأت

جناب قاری عبدالجلیل صاحب

استاذ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور

Al Majmaul Quadri

Madarsa Faiz-ul-Uloom

Dhatkidih, Jamshedpur, (Jharkhand)

ناشر

المجمع القادری فیض العلوم جمشید پور

سول ایجنٹ

مکتبہ جام نور دہلی